بیادگار

خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند
استاذ حضور تاج الشریعہ
معروف بہ حضور فخر بہار
حضرت علامہ

مفتی غلام رسول حشمتی علیہ الرحمۃ

ماہنامہ فخرِ بہار

May 2026

مدیرِ اعلیٰ

نبیرۂ فخر بہار حضرت

محمد فرحان رضا قادری ازہری

صدر، یادتاج الشریعہ فاونڈیشن

پیش کش:

خانقاہ رضویہ تیغیہ رسولیہ، مدھورا، کٹیہار، بہار

زیرِ اہتمام

یادتاج الشریعہ فاؤنڈیشن

بیاد گار

خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند
استاذ حضور تاج الشریعہ
معروف بہ حضور فخر بہار
حضرت علامہ

مفتی غلام رسول حشمتی علیہ الرحمہ

ماہنامہ

فخرِ بہار

May 2026

پیش کش

خانقاہ رضویہ تیغیہ رسولیہ، مدھورا، کٹیہار بہار

سرپرستی

حکیم ملت علامہ محمد احسن رضا رضوی

سجادہ نشین خانقاہ رضو یہ تیغیہ رسولیہ،مدھورا،کٹیہار،بہار

مدیر اعلیٰ

نبیرۂ فخر بہار محمد فرحان رضا قادری ازہری

معاون مدیر

شہزادۂ فخر بہار علامہ محمد مسعود رضا رضوی

مجلس مشاورت

- مفتی غلام غوث رضا مرکزی
- ڈاکٹر محمد محسن رضا رضوی
- مولانا محمد مجیب الرحمٰن
- مولانا محمد مبین رضا مرکزی
- حافظ محمد منور حسین
- ڈاکٹر محمد نجم الرضا رضوی
- مولانا محمد اجمل رضا مرکزی
- قاری فرقان رضا روحی
- حافظ نقی رضا مرکزی

فہرست مضامین

نعتِ رسول ﷺ

سخن آموز: محمد انیس القادری رضوی غوثی غفرلہ

وجہ تخلیق دو عالم جانِ ایماں آپ ہیں
خَلق میں سب سے نرالے شاہِ خوباں آپ ہیں

جانِ آدم جانِ عیسٰی جانِ جاناں آپ ہیں
دو جہاں ہیں جن پہ نازاں نورِ یزداں آپ ہیں

آپ پر قرآن رب نے اِس لیے نازل کیا
جانِ قرآں آپ ہیں فخر رسولاں آپ ہیں

اِس لیے ہم پر نہیں آتا ہے مولا کا عذاب
ہم سیہ کاروں کے حامی اور نگہباں آپ ہیں

فکر کی کھیتی ہماری اِس لیے شاداب ہے
نعت خوانی کے لئے ہم سب کا عنواں آپ ہیں

نور کے سانچے میں رب نے آپ کو ڈھالا حضور
آسمانِ حُسن کے مہرِ در خشاں آپ ہیں

کیجیے حسان بن ثابت کی سنت پر عمل
گر شہ لولاک کے سچے ثنا خواں آپ ہیں

فخر ازہر آپ پر ہم سنیوں کو فخر ہے
فخر سے کہتے ہیں ہم کعبے کے مہماں آپ ہیں

دو جہاں میں لاج رکھ لیں گے شہنشاہِ اُمم
کیوں انیسؔ القادری رضوی پریشاں آپ ہیں

اسلامی حکومت اور عدل و مساوات

قسط اول: محمد مقصود عالم قادری، مدنی (اتر دیناج پور مغربی بنگال)

اسلامی حکومت دنیا کی تمام حکومتوں اور نظاموں سے افضل اور برتر حکومت ہے۔ کیوں کہ اس کا مقصد دیگر حکومتوں کی طرح ایک ملک یا خطہ فتح کر کے اس میں اپنا قانون اور سکہ رائج کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کا اولین مقصد عدل و انصاف اور امن و سلامتی کا قیام ہے۔

اسلامی حکومت میں امیر و غریب، مالک و غلام اور خاص و عام سب کے لیے یکساں قانون ہے۔ عوام تو عوام اگر کوئی سرکاری اعلیٰ عہدہ دار بلکہ خلیفۂ وقت ہی کسی جرم کا ارتکاب کر لے تو اسلامی قانون اس کو بھی عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کرتا ہے۔

آج کچھ شر پسند عناصر اسلامی حکومت اور اس کے قوانین پر نکتہ چینی کرتے نہیں تھکتے۔ کاش یہ لوگ تعصب کی عینک اتار کر مذہب اسلام اور اس کے قوانین کا غیر جانب دارانہ مطالعہ کریں تو ان پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے کہ اسلامی حکومت کسی نعمت سے کم نہیں۔ یہی نظام ہے جو فیصلے کے وقت کسی کے دین، مذہب، قبیلے یا قوم کی مطلق رعایت نہیں کرتا۔

اسلامی حکومت میں صرف مسلمان ہی اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتے بلکہ غیر مسلم کے لیے بھی مکمل حفاظت کا انتظام کیا جاتا ہے، اُس کو کسی بھی طرح کی اذیت یا تکلیف نہیں دی جاتی۔

مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر میں ہے:

"وَيَجِبُ كَفُّ الأذى عَنْهُ وَتَحْرُمُ غِيبَتُهُ كَالْمُسْلِمِ كَمَا فِي الأَبْحُرِ"

یعنی غیر مسلم (ذمی) کو اذیت سے محفوظ رکھنا واجب ہے اور اس کی غیبت کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح مسلمان کی غیبت کرنا حرام ہے۔

(فصل فی بیان مابقی من الاحکام المستامن، المکتبۃ الشاملۃ)

اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو اپنا دین و مذہب چھوڑ کر دین اسلام اختیار کرنے یا کوئی اسلامی نعرہ لگانے پر ہرگز مجبور نہیں کیا جاتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ﴾ (البقرہ، ۲/۲۵۶)

کچھ زبردستی نہیں دین میں بیشک خوب جدا ہوگئی ہے نیک راہ گمراہی سے۔ (کنزالایمان)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر قرشی اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں یعنی تم کسی کو دین اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہ کرو، کیونکہ یہ دین واضح اور روشن ہے، اس کے دلائل و براہین نمایاں ہیں، یہ دین اس کا محتاج نہیں کہ کسی کو اس میں داخل ہونے پر مجبور کیا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج، اص،۵۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

اور صرف یہی نہیں بلکہ اسلامی حکومت میں امن پسند غیر مسلموں کو مذہبی آزادی بھی حاصل ہوتی ہے۔

اس حقیقت کا اندازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تاریخی امان نامہ سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے اہل قدس کے لیے جاری کیا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هذا ما أعطى عبد الله عمرُ أمير المؤمنين أهلَ إيلياء من الأمان:

أعطاهم أمانًا لأنفسهم وأموالهم ولكنائسهم وصلبانهم وسقيمها وبريئها وسائر ملتها، أنه لا تُسكن كنائسهم ولا تُهدم، ولا يُنتقص منها ولا من حيزها، ولا من صليبهم ولا من شيء من أموالهم، ولا يُكرهون على دينهم، ولا يُضارّ أحدٌ منهم، ولا يسكن بإيلياء معهم أحد من اليهود وعلى أهل إيلياء أن يعطوا الجزية كما يُعطي أهل المدائن.

(تاریخ الامم والملوک للامام الطبری، ذکر فتح بیت المقدس، ج ۲، ص ۴۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

یہ وہ امان ہے جسے اللہ کے بندے امیر المومنین عمر بن خطاب نے اہل ایلیا کو دی۔ ان کی جان، مال، کلیسا اور ان کے صلیبیوں کو امان دی گئی، ایلیا کے بیمار، صحت مند بلکہ وہاں کے تمام فرقوں کو امان دی گئی نہ ان کی عبادت گاہوں میں رہائش اختیار کی جائے، نہ انہیں گرایا جائے، نہ ان میں یا ان کی جگہوں میں کمی کی جائے، یوں ہی نہ ان کی صلیبوں میں کمی کی جائے، نہ ان کے اموال میں کمی کی جائے، نہ ہی کسی کو اپنا دین چھوڑنے پر مجبور کیا جائے، نہ ان میں سے کسی کو تکلیف دی جائے، نہ ان کے ساتھ یہودیوں میں سے کسی کو ٹھہرایا جائے۔

اور اہل ایلیا پر لازم ہے کہ وہ ٹیکس ادا کریں جس طرح اہل مدائن ٹیکس ادا کرتے ہیں۔

جب مسلمانوں نے بیت المقدس کو فتح کیا تو

ان کا یہودیوں کے ساتھ حسنِ سلوک تاریخ کا درخشاں باب ہے، اور آج یہی یہودی فلسطین کے مسلمانوں کے ساتھ جو سفاکانہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں، وہ ایک عبرت ناک تضاد ہے۔

ان کے علاوہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کی جان، مال، آل واولاد اور عزت وآبرو کی مکمل حفاظت بھی کی جاتی ہے۔

یاد رہے کہ اسلامی حکومت میں جو غیرمسلموں کے ساتھ اچھا سلوک، مساوات اور عدل وانصاف کیا جاتا ہے یہ مسلم حکمرانوں کا ان پر احسان نہیں ہے بلکہ یہ تو اسلامی نظام کا لازمی حصہ ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کا متعدّد مقامات پر حکم ہی نہیں بلکہ تاکید بھی فرمائی ہے۔

چند آیات کریمہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)-﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا﴾ (النساء/۱۳۵)

اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لیے گواہی دیتے چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا فقیر ہو بہر حال اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے تو خواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑو اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ (کنزالایمان)

یعنی کسی کی رعایت وطرفداری میں انصاف سے نہ ہٹو اور کوئی قرابت ورشتہ حق کہنے میں مخل نہ ہونے پائے۔ (خزائن العرفان، ص ۱۹۴، مکتبۃ المدینہ)

(۲)-﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا﴾ (النساء/۵۸/۴)

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کرو اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو بے شک اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔ (کنزالایمان)

یعنی فریقین میں سے اصلاً کسی کی رعایت نہ کی جائے۔ علماء نے فرمایا کہ حاکم کو چاہئے کہ پانچ باتوں میں فریقین کے ساتھ برابر سلوک کرے۔ (۱) اپنے پاس آنے میں جیسے ایک کو موقع دے، دوسرے کو بھی دے۔ (۲) نشست دونوں کو ایک جیسی دے۔ (۳) دونوں کی طرف برابر مُتوجّہ

رہے۔ (۴) کلام سننے میں ہر ایک کے ساتھ ایک ہی طریقہ رکھے۔ (۵) فیصلہ دینے میں حق کی رعایت کرے جس کا دوسرے پر حق ہو پورا پورا دِلائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ انصاف کرنے والوں کو قربِ الٰہی میں نور کے منبر عطا کئے جائیں گے۔ (خزائن العرفان، ص ۱۷۱)

(۳)-﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ٘ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (المائدہ ۵/۸)

اے ایمان والو اللہ کے حکم پر خوب قائم ہوجاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ اُبھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو، وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ (کنزالایمان)

آیتِ مبارکہ میں عدل وانصاف کا حکم فرمایا گیا ہے اور واضح فرمادیا کہ کسی قسم کی قرابت یا عداوت کا کوئی اثر تمہیں عدل سے نہ ہٹا سکے۔

(۴)-﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَیَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (النحل ۱۶/۹۰)

بیشک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کے دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔ (کنزالایمان)

(۵)-﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ (الانعام ۶/۱۵۲)

اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ تمہارے رشتہ دار کا معاملہ ہو۔ (کنزالایمان)

یعنی خواہ گواہی دو یا فتویٰ دو یا حاکم بن کر فیصلہ کرو کچھ بھی ہو انصاف سے ہو اس میں قرابت یا وجاہت کا لحاظ نہ ہو کیونکہ اس سے مقصود شرعی حکم کی پیروی اور اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنا ہوتا ہے اور اس میں اجنبی اور قرابت دار کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ (روح البیان، الانعام، تحت الآیۃ: ۱۵۲)

(۷)- ﴿فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ (الحجرات ۴۹/۹)

پھر اگر پلٹ آئے تو انصاف کے ساتھ ان میں اصلاح کردو اور عدل کرو بیشک عدل والے اللہ کو پیارے ہیں۔ (کنزالایمان)

(۸)-﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ﴾ (الاعراف ۷/۲۹)

فرماؤ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا

ہے۔(کنزالایمان)

رسول اللہ ﷺ نے بھی جگہ جگہ عادل حاکم اور قاضی کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور ان کے لیے جنت کی بشارت سنائی ہے، نیز ظالم حاکم اور قاضی کی مذمت فرمائی ہے اور ان کے لیے جہنم کی وعید سنائی ہے۔

چند احادیث کریمہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)- عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامٌ عَادِلٌ، وَأَبْغَضَ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ، وَأَبْعَدَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامٌ جَائِرٌ .

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور قریب ترین شخص عادل حکمراں ہوگا، اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور اس سے سب سے دور ظالم حکمراں ہوگا۔

(جامع ترمذی: ابواب الاحکام، باب ماجاء فی الامام العادل، رقم الحدیث۱۳۲۹، آئی-ایم-اے پبلشرز(پرائیوٹ) لمٹیڈ)

(۲)- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْقَاضِي مَا لَمْ يَجُرْ، فَإِذَا جَارَ تَخَلَّى عَنْهُ، وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ .

عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ ظلم نہیں کرتا، اور جب وہ ظلم کرتا ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اور اس سے شیطان چمٹ جاتا ہے۔ (ایضاً رقم الحدیث ۱۳۳۰)

(۳)- اَللّٰهُمَّ مَن وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَن وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ۔

ترجمہ: اے اللہ! جو میری امت کا حاکم بن کر ان پر سختی کرے تو تو بھی اس پر سختی فرما، اور جو نرمی کرے تو تو بھی اس پر نرمی فرما۔

(صحیح مسلم: کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل وعقوبۃ الجائر، والحث علی الرفق بالرعیۃ، والنھی عن ادخال المشقۃ علیھم، رقم الحدیث ۴۷۲۰، مکتبہ احسان لکھنؤ)

(٤)- عَنْ الْحَسَنِ قَالَ عَادَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ الْمُزَنِيَّ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ فَقَالَ مَعْقِلٌ إِنِّي مُحَدِّثُكَ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَوْ عَلِمْتُ أَنَّ لِي حَيَاةً مَا حَدَّثْتُكَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔

حضرت حسن سے مروی ہے کہ عبیداللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار مزنی کی مرض

وفات میں عیادت کے لئے گئے تو حضرت معقل نے کہا میں تجھ سے ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے اگر میں جانتا کہ میری زندگی باقی ہے تو میں بیان نہ کرتا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے "جس بندہ کو اللہ نے رعیت پر ذمہ دار بنایا ہو اور جس دن وہ مرے اپنی رعایہ کے ساتھ خیانت کرنے والا ہو تو اللہ نے اس پر جنت حرام کردی ہے۔ (ایضًا رقم الحدیث، ۴۷۲۷)

(٥)- عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ أَنَّ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ زِيَادٍ دَخَلَ عَلَى مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ فِي مَرَضِهِ فَقَالَ لَهُ مَعْقِلٌ إِنِّي مُحَدِّثُكَ بِحَدِيثٍ لَوْلَا أَنِّي فِي الْمَوْتِ لَمْ أُحَدِّثْكَ بِهِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ مَا مِنْ أَمِيرٍ يَلِي أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ ثُمَّ لَا يَجْهَدُ لَهُمْ وَيَنْصَحُ إِلَّا لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ۔

حضرت ابوالملیح سے روایت ہے کہ عبیداللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار کی بیماری میں ان کے پاس آیا تو اس سے حضرت معقل نے فرمایا میں تجھے ایک حدیث بیان کرنے والا ہوں اور اگر میں مرض الموت میں مبتلا نہ ہوتا تو میں یہ حدیث تجھے بیان نہ کرتا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا حضور ﷺ فرماتے تھے: جس آدمی کو مسلمانوں کے کسی معاملہ کا حاکم بنایا جائے پھر وہ ان کی خیر خواہی اور بھلائی کے لئے جدوجہد نہ کرے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (ایضًا رقم الحدیث، ۴۷۲۹)

(٦)- إِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الحُطَمَةُ۔

ترجمہ: بدترین حکمران وہ ہے جو رعایا پر ظلم و سختی کرے۔ (ایضًا رقم الحدیث، ۴۷۳۱)

(٧)- عَنْ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: الْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ، وَاثْنَانِ فِي النَّارِ، فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِه، وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ قَضَى لِلنَّاسِ عَلَى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ، قَالَ أَبُو دَاوُد: وَهَذَا أَصَحُّ شَيْءٍ فِيهِ، يَعْنِي حَدِيثَ ابْنِ بُرَيْدَةَ الْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ.

بریدہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک جنتی اور دو جہنمی، رہا جنتی تو وہ ایسا شخص ہوگا جس نے حق کو جانا اور اسی کے موافق فیصلہ کیا، اور وہ شخص جس نے حق کو جانا اور اپنے فیصلے میں ظلم کیا تو وہ جہنمی ہے۔ اور وہ شخص جس نے نادانی سے لوگوں کا فیصلہ کیا وہ بھی جہنمی ہے۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الاقضیۃ، باب

فی القاضی یخطی ویصیب، رقم الحدیث، ۳۵۷۳، مکتبہ احسان لکھنؤ)

ان آیات اور احادیث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلامی حکومت ہر ایک کے لیے رحمت اور نعمت ہے۔
اب اگر کوئی ایک دو مسلم حکمرانوں کی وجہ سے پوری اسلامی حکومت پر طعن و تشنیع کرے تو یہ تعصب اور بغض و کینہ کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔

آمین بجاہِ النبیِّ الأمین صلی اللہ علیہ وسلم



مدارس: دین کی بقا کے مضبوط قلعے

-------------از: نبیرۂ فخر بہار فقیر محمد فرحان رضا قادری ازہری مدیر ماہنامہ فخر بہار

اگر کوئی شخص یہ دیکھنا چاہے کہ اسلام کی علمی، عملی اور روحانی زندگی آج بھی کس سہارے قائم ہے، تو وہ ذرا مدارسِ اسلامیہ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھ لے۔ یہی وہ مقدس مراکز ہیں جہاں قرآن کی صدائیں گونجتی ہیں، حدیث کے چرچے ہوتے ہیں، فقہ کی باریکیاں سمجھی جاتی ہیں، اور اخلاق و کردار کے چراغ روشن کیے جاتے ہیں۔ یہ محض تعلیمی ادارے نہیں، بلکہ ملتِ اسلامیہ کے ایمان، تہذیب اور تشخص کے محافظ قلعے ہیں

رمضان المبارک میں جب مساجد نور سے جگمگاتی ہیں، محراب و منبر آباد ہوتے ہیں، اور تراویح میں قرآنِ مجید سنانے والے خوش الحان حفاظ اپنی آوازوں سے فضا کو معطر کرتے ہیں، تو یہ منظر خود پکار پکار کر کہتا ہے کہ اِن روح پرور ساعتوں کے پیچھے مدارس کی شبانہ روز محنت کارفرما ہے۔ جو حافظ آج مسجد کی زینت ہے، وہ کل کسی مدرسے کے فرش پر بیٹھا سبق دہرا رہا تھا۔ جو عالم آج شریعت کے مسائل بیان کر رہا ہے، وہ انہی مدارس کے دامنِ تربیت میں پروان چڑھا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ کسی ایک طبقے یا چند افراد کے فائدے کے لیے نہیں، بلکہ پوری امت کے دینی وجود کے لیے ناگزیر ہیں۔ یہیں سے حفاظ نکلتے ہیں، یہیں سے علما اٹھتے ہیں، یہیں سے ائمہ، خطبا، مفتیانِ کرام، مبلغین، مصنفین اور مدافعینِ اسلام تیار ہوتے ہیں۔ اگر مساجد دین کا ظاہری حسن ہیں تو مدارس اس حسن کے پس پردہ وہ خاموش قوت ہیں جو نسل در نسل اس چراغ کو روشن رکھے ہوئے ہیں۔

مدارس کی عظمت صرف اس لیے نہیں کہ وہاں چند کتابیں پڑھا دی جاتی ہیں، بلکہ اس لیے ہے کہ وہاں علم کے ساتھ ادب، شعور کے ساتھ عمل، اور درس کے ساتھ دردِ امت بھی دیا جاتا ہے۔ وہاں صرف عبارتیں نہیں کھولتیں، وہاں ذہن بنتے ہیں، مزاج سنورتے ہیں، اور ایسی شخصیات تیار ہوتی ہیں جو امت کی فکری و روحانی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ

تاریخِ اسلام کے عظیم رجال کے تذکرے میں ہمیں بار بار درس گاہیں، حلقہ ہائے علم اور دینی مراکز ہی بنیاد کے طور پر نظر آتے ہیں۔

آج اگر بعض حلقے مدارس کو نشانہ بناتے ہیں، اُن پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے ہیں، اُن کی حیثیت گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں، تو یہ کوئی اتفاقی معاملہ نہیں۔ دراصل انہیں خوب معلوم ہے کہ جب تک مدارس قائم ہیں، قرآن کا چراغ بجھ نہیں سکتا؛ سنت کا پیغام مٹ نہیں سکتا؛ اذانوں کی صدا مدھم نہیں پڑ سکتی؛ اور ملت کے دینی شعور کو ختم کرنا آسان نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حملہ دراصل عمارت پر نہیں، اُس فکر پر ہے جو اس عمارت کے اندر زندہ ہے۔

یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ دشمنانِ دین کبھی سامنے آکر یہ نہیں کہتے کہ قرآن چھوڑ دو، سنت سے منہ موڑ لو، اپنی دینی شناخت مٹا دو؛ بلکہ وہ اس کے لیے راستے ہموار کرتے ہیں۔ کبھی مدارس کے خلاف ذہن سازی، کبھی علما سے بدظنی، کبھی دینی تعلیم کو فرسودہ ثابت کرنے کی کوشش - یہ سب اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ مقصد صرف ایک ہے: مسلمان کو اس کے اصل سرچشمے سے دور کر دو، پھر وہ خود بخود کمزور پڑ جائے گا۔

لیکن تاریخ گواہ ہے کہ دینِ اسلام نہ طنز سے مٹا ہے، نہ طعن سے دب سکا ہے۔ جسے اہلِ حق نے اپنے خونِ جگر سے سینچا ہو، جس کے لیے اکابر نے اپنی عمریں کھپا دی ہوں، اُسے چند آوازیں کیا نقصان پہنچا سکتی ہیں؟ مدارس کا رشتہ محض اینٹ اور پتھر سے نہیں، بلکہ قرآن، سنت، اسلاف کی امانت اور امت کے ایمان سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جتنا انہیں دبانے کی کوشش کی جاتی ہے، اتنا ہی ان کی اہمیت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ مدارس کی قدر پہچانیں، ان کی خدمات کو سمجھیں، ان کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلانے والوں کے پروپیگنڈے سے ہوشیار رہیں، اور اپنی استطاعت کے مطابق ان اداروں کا تعاون کریں۔ یہ مدارس ہی ہیں جو ہمارے بچوں کے سینوں میں قرآن محفوظ کرتے ہیں، ہمارے معاشرے کو دینی قیادت دیتے ہیں، اور ہمیں ہمارے رب اور رسول ﷺ سے جوڑے رکھتے ہیں۔

یاد رکھیے! مدارس کمزور ہوں گے تو مساجد کی رونق ماند پڑ جائے گی، دینی شعور کمزور ہوگا، اور نسلوں کا رشتہ اپنی اصل سے ٹوٹنے لگے گا۔ اور اگر مدارس مضبوط رہیں گے تو ان شاء اللہ ایمان کی شمع

بھی روشن رہے گی، اسلام کی عظمت بھی برقرار رہے گی، اور امت کا دینی وجود بھی سلامت رہے گا۔

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی۔۔۔کہاں بجھیں گے یہ، جب تک مدارس آباد ہیں۔

یارب! مدارس سے وابستہ اساتذہ، طلبہ، علما، حفاظ، مفتیانِ کرام اور خدامِ دین کو سلامت رکھ، ان کے علم و عمل، اخلاص و للّٰہیت، عزت و وقار، رزق و برکت اور دینی خدمات میں بے پناہ اضافہ فرما۔۔۔ان کے سینوں کو قرآن کے نور سے بھر دے، ان کی زبانوں کو حق گوئی کی قوت عطا فرما، اور ان کی زندگیوں کو دینِ متین کی خدمت کے لیے قبول فرما آمین ثم آمین یارب العالمین۔

مدارس میں چندہ کا موجودہ نظام: شرعی و اخلاقی جائزہ

ابوالخالد محمد اظہرالدین علیمی (دارالعلوم حسینیہ نظامیہ رضا نگر بھٹنڈی نالا جموں)

دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں۔ انہی اداروں سے قرآن و حدیث کے علما، ائمہ، خطبا اور داعیانِ دین تیار ہوتے ہیں۔ برصغیر میں بالخصوص ہند و پاک میں مدارس کا نظام زیادہ تر عوامی تعاون، زکوٰۃ، صدقات اور عطیات پر قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چندہ کا مسئلہ نہایت حساس ہے اور اس میں امانت، دیانت اور تقویٰ بنیادی شرائط ہیں۔

ماضی کا طریقۂ کار:

پہلے زمانے میں مدارس کے لیے چندہ ایک باقاعدہ امانت سمجھا جاتا تھا۔ مدرسہ کے ذمہ داران یا معتمد افراد خود جا کر اہلِ خیر سے رابطہ کرتے تھے۔ اگر کسی کو بطورِ کارندہ رکھا جاتا تو اسے طے شدہ تنخواہ دی جاتی تھی۔ یعنی اس کا معاوضہ واضح اور متعیّن ہوتا تھا، نہ کہ فیصد کے حساب سے۔

زکوٰۃ، فطرہ اور صدقات بالخصوص غریب و نادار طلبہ پر خرچ کیے جاتے تھے۔ اس میں شفافیت بھی ہوتی تھی اور اعتماد بھی۔

موجودہ صورتحال: کمیشن کا نظام

اب بعض مقامات پر چندہ جمع کرنے کا ایک نیا انداز رائج ہو گیا ہے، جس میں "فرسٹ سنٹر" یا کمیشن سسٹم کے تحت چندہ کرنے والے کو ۱۰ فیصد، ۲۰ فیصد بلکہ بعض جگہ ۵۰ فیصد تک دیا جا رہا ہے۔

یعنی اگر کوئی شخص ایک لاکھ روپے جمع کرے تو پچاس ہزار خود رکھ لے اور پچاس ہزار مدرسہ یا یتیم خانے کو دے دے۔ اس طرزِ عمل نے کئی سوالات کو جنم دیا ہے:

کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

کیا یہ امانت میں خیانت کے زمرے میں آتا ہے؟

کیا اس سے چندہ ایک کاروبار نہیں بن جاتا؟

شرعی اصول:

اسلام میں امانت کا تصور نہایت بلند ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ

اِلٰی اَھْلِهَا﴾ (النساء: ۵۸)

ترجمہ: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ۔

چندہ، زکوٰۃ اور صدقات دراصل امانت ہیں۔ دینے والا عام طور پر یہ نیت کرتا ہے کہ اس کا پورا مال مدرسہ یا مستحقین تک پہنچے۔ اگر اس کو پہلے سے معلوم نہ ہو کہ اس کا آدھا حصہ بطورِ کمیشن چلا جائے گا، تو یہ شفافیت کے خلاف ہے۔

اجرت لینا جائز ہے؟

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ زکوٰۃ یا صدقات کی وصولی پر عامل (کارندہ) کو اجرت دی جا سکتی ہے، جیسا کہ قرآن میں مصارفِ زکوٰۃ میں "والعاملین علیھا" کا ذکر ہے۔ (سورۃ التوبہ: ۶۰)

لیکن یہاں چند اہم شرائط ہیں:

اجرت مناسب اور عرف کے مطابق ہو۔

دینے والے کو دھوکہ نہ دیا جائے۔

ادارہ شفاف طریقے سے حساب رکھے۔

اگر کوئی شخص ۵۰ فیصد لے رہا ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ "عرف کے مطابق مناسب اجرت" ہے؟ عام عقل و عرف میں یہ تناسب غیر معمولی اور مبالغہ آمیز سمجھا جائے گا۔

اخلاقی پہلو:

دینی ادارہ محض ایک تنظیم نہیں بلکہ دین کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اگر چندہ جمع کرنا ایک "بزنس ماڈل" بن جائے تو اس کے سنگین نتائج ہو سکتے ہیں:

عوام کا اعتماد کم ہو جائے گا۔

حقیقی مستحقین تک رقم کم پہنچے گی۔

مخلص کارکن بدنام ہوں گے۔

مدارس کے خلاف بدگمانی بڑھے گی۔

یہ صورتحال نہ صرف اخلاقی زوال کی علامت ہے بلکہ دین کے وقار کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔

۵۰ فیصد کمیشن: شرعی حیثیت

اگر چندہ دینے والے کو صاف طور پر بتایا جائے کہ اس کا آدھا حصہ کارندہ لے گا، اور وہ اس پر راضی ہو، تو اصولی طور پر یہ ایک معاہدہ بن سکتا ہے۔ لیکن عملاً ایسا کم ہی ہوتا ہے۔

اکثر لوگ یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ ان کی رقم مکمل طور پر مدرسہ یا یتیموں تک پہنچے گی۔ اس صورت میں ۵۰ فیصد رکھ لینا امانت میں خیانت اور دھوکہ دہی کے قریب تر ہو گا۔

مزید یہ کہ اگر زکوٰۃ کی رقم ہے، تو اس میں سے اتنا بڑا حصہ بطورِ کمیشن لینا فقہی اعتبار سے شدید محلِ نظر ہے، کیونکہ زکوٰۃ بنیادی طور پر مستحقین کا حق ہے۔

چندہ یا تجارت؟

جب فیصد مقرر ہو اور زیادہ رقم جمع کرنے پر زیادہ کمیشن ملے، تو نیت اور عمل دونوں میں دنیاوی مفاد غالب آسکتا ہے۔ نتیجتاً:

☆ جھوٹے دعوے کیے جا سکتے ہیں۔ ☆ اداروں کی تعداد صرف چندہ کے لیے بڑھ سکتی ہے۔ ☆ رقابت اور منفی پروپیگنڈہ شروع ہو سکتا ہے۔۔۔ یہ تمام امور دینی مزاج کے خلاف ہیں۔

اصلاح کی صورتیں:

تنخواہ کا نظام بحال کیا جائے:

کارندوں کو مناسب ماہانہ تنخواہ دی جائے، نہ کہ فیصد کے حساب سے۔

شفافیت:

چندہ دینے والے کو مکمل معلومات دی جائیں۔

آڈٹ اور حساب کتاب:

ہر مدرسہ سالانہ رپورٹ جاری کرے۔

علماء کی نگرانی:

باوقار اور معتبر علماء کی نگرانی میں نظام چلایا جائے۔

اعتدال:

اگر کمیشن ناگزیر ہو تو وہ مناسب اور محدود ہو (مثلاً ۵ یا ۱۰ فیصد تک)، نہ کہ ۵۰ فیصد۔

مدارس کا نظام امت کی امانت ہے۔ چندہ جمع کرنا ضرورت ہے، لیکن اس کو تجارت بنا دینا خطرناک رجحان ہے۔ ۵۰ فیصد کمیشن لینا عمومی طور پر شرعی اصولِ امانت، دیانت اور عرفِ عام کے خلاف محسوس ہوتا ہے، خصوصاً جب دینے والے کو مکمل آگاہی نہ ہو۔

لہٰذا ضروری ہے کہ مدارس اور یتیم خانے اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں، شفاف اور دیانتدارانہ نظام قائم کریں، اور اس بات کا اہتمام کریں کہ مستحقین کا حق کم سے کم کٹوتی کے ساتھ ان تک پہنچے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں امانت و دیانت کی حفاظت کرنے اور دین کے اداروں کو ہر قسم کی بدعنوانی سے بچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆☆

محراب و منبر کے پاسبان اور معاشی گھٹن

راقم الحروف: محمد انیس القادری رضوی غوثی غفرلہ

کسی بھی معاشرے کی تہذیبی اور اخلاقی تعمیر میں مساجد کے ائمہ اور مدارس کے اساتذہ کا کردار ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وہ مقدس ہستیاں ہیں جو پانچ وقت کی نمازوں، مساجد کے انتظام اور دینی تعلیم کے ذریعے امت کو راہِ راست پر رکھنے کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔ مگر المیہ یہ ہے کہ آج یہی طبقہ معاشی بدحالی اور 'مہنگائی کے عفریت' کے سامنے بے بس نظر آتا ہے!

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مساجد اور مدارس کا ایک بڑا حصہ انتہائی قلیل سیلری پر کام کر رہا ہے۔ اس معاشی پریشانی کے چند اہم اسباب یہ ہیں!

زیادہ تر مساجد اور چھوٹے مدارس عوام کے چندے یا مقامی لوگوں کے تعاون پر منحصر ہیں۔ جب معاشرتی معیشت کمزور ہوتی ہے، تو سب سے پہلے دینی اداروں کے لیے چندہ متاثر ہوتا ہے، جس کا براہِ راست بوجھ امام یا استاد کی تنخواہ (سیلری) پر پڑتا ہے۔ معاشرے میں ایک عمومی تاثر یہ ہے کہ "دین کا کام" کرنے والوں کو دنیاوی معاوضے کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ یہ سوچ ایک بڑی غلط فہمی ہے، کیونکہ امام یا مدرس بھی انسان ہے، اس کے بھی بچے ہیں، اس کے گھر کے اخراجات ہیں، اور اسے بھی بیماری اور دیگر ضروریات کے لیے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ سرکاری اداروں کے برعکس، دینی اداروں میں بہت کم جگہوں پر میڈیکل سہولیات یا پینشن کا کوئی نظام موجود ہے۔

ایک بڑا نقصان:

جب ایک عالمِ دین، جس نے برسوں کی محنت سے علم حاصل کیا ہو، یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی اہلیہ اور بچوں کی بنیادی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہے، تو وہ مجبوری میں مسجد اور مدرسہ چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بہت سے باصلاحیت علماء پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے دوسرے شعبوں کی طرف نکل جاتے ہیں۔ یہ اس شعبے کے لیے ایک بہت بڑا "برین ڈرین" ہے جو علماء اس مالی پریشانی کے باوجود ڈٹے رہتے ہیں، وہ

اکثر ذہنی دباؤ کا شکار رہتے ہیں۔ جب امام کا ذہن گھر کے اخراجات میں الجھا ہو گا، تو وہ خطبہ اور امامت کے فرائض میں وہ یکسوئی کیسے لا پائے گا جو معاشرے کی اصلاح کے لیے ضروری ہے؟

ذمہ داری کس کی ہے؟

اس صورتحال کی اصلاح کے لیے اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہے۔ مساجد اور مدارس کی کمیٹیوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک خوشحال امام ہی ایک مستحکم مسجد چلا سکتا ہے۔ ائمہ کا معاوضہ محض خیرات نہیں بلکہ ایک حقِ خدمت ہے، جسے وقار کے ساتھ ادا کیا جانا چاہیے!

ہمیں بطور معاشرہ اس سوچ کو بدلنا ہو گا کہ "مولوی صاحب کو پیسے نہیں مانگنے چاہئے"۔ جب ہم ایک ڈاکٹر یا وکیل کو بھاری فیس دے سکتے ہیں، تو جو شخصیت ہمارے ایمان کی حفاظت کر رہی ہے، اس کا معاشی حق ادا کرنا ہماری ترجیح کیوں نہیں؟

اگر یہی صورتحال رہی تو آنے والے وقتوں میں دینی تعلیم اور مساجد کی رونقیں متاثر ہونے کا خدشہ ہے۔ معاشرے کے بااثر افراد اور مخیر حضرات کو چاہیے کہ وہ اس شعبے میں کام کرنے والوں کی عزتِ نفس کا خیال رکھتے ہوئے ان کی معاشی کفالت کو اپنا فریضہ سمجھیں۔ ایک عالمِ دین کا پرسکون ہونا، پورے معاشرے کے روحانی اور اخلاقی سکون کی ضمانت ہے!

یاد رکھیے! جب تک ہم اپنے روحانی پیشواؤں کو معاشی وقار فراہم نہیں کریں گے، ہم ایک متوازن اور خوشحال معاشرے کے خواب کو شرمندہ تعبیر نہیں کر سکتے۔

محمد انیس القادری رضوی غوثی غفرلہ
خادم مدرسہ اہل سنت فیضانِ تاج الشریعہ چشتی نگر
شاہ پور جھارکھنڈ
9279053610

"دورِ حاضر کی عالمات اور سوشل میڈیا"

از قلم: سرفراز احمد قادری امجدی

چونکہ سوشل میڈیا کا دور دوراں ہے، لہذا مرد تو مرد، اب عورتیں بھی اس میدان میں پیچھے نہیں رہنا چاہتیں۔ ہماری عالمہ بہنیں الاماشاء اللہ سوشل میڈیا کی اس قدر خوگر ہو چکی ہیں کہ بیان سے باہر ہے۔ اگر چند لفظوں میں کہا جائے تو بعض قاریات، عالمات، فاضلات، مفتیات اور مبلغات اپنے یا کسی خاتون والے نام سے سوشل میڈیا پر سرگرم نظر آتی ہیں۔ حال یہ ہے کہ چند لائک اور چند فالوورز کے لیے اپنی نعتیں اور تقاریر انسٹاگرام، فیس بک، یوٹیوب اور اسنیپ چیٹ پر شائع کر کے اپنے عالمانہ وقار کو مجروح کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ حالانکہ وہ خوب جانتی ہیں کہ عورت کی آواز بھی عورت یعنی محلِّ ستر ہے۔ سمجھانے پر جواب یہ ملتا ہے کہ زمانے کے حساب سے فتویٰ بدلتا ہے۔ میری بہنو! بہتر ہوتا کہ کسی معتبر مفتی صاحب سے اس پر جواز کا فتویٰ طلب کر کے فقیر کو لاجواب کر دیتیں۔ عورتوں کا میلاد اور ذکر و اذکار کی محافل منعقد کرنا جائز اور باعثِ ثواب ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان کی آواز نامحرموں تک نہ پہنچے۔ اگر عورت خوش الحانی سے اتنی بلند آواز میں نعت یا تلاوت کرے کہ اجنبی سن لیں تو یہ محلِ فتنہ اور ناجائز ہے۔

جیسا کہ حضور اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

"ناجائز ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے اور عورت کی خوش الحانی کہ اجنبی سے محل فتنہ ہے"

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۲، ص ۲۴۲)

دوسرے مقام پر اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت مجدد دین و ملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"عورت کا خوش الحانی سے باآواز ایسا پڑھنا کہ نامحرموں کو اس کے نغمہ کی آواز جائے، حرام ہے۔ نوازل امام فقیہ ابو اللیث میں ہے: "نغمۃ المرأۃ عورۃ" یعنی عورت کا خوش آواز ہو کر کچھ

پڑھنا عورت یعنی محلِ ستر ہے۔ کافی امام ابو البرکات نسفی میں ہے: "لا تلبی جھراً لان صوتھا عورۃ" یعنی عورت بلند آواز سے تلبیہ نہ پڑھے، اس لیے کہ اس کی آواز قابلِ ستر ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد ۲۲، ص ۲۴۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

لیکن ہماری بعض عالمات کا کیا کہنا! وہ باضابطہ نعت و تقاریر سوشل میڈیا پر شائع کرتی ہیں اور نعت و تقاریر کی آڑ میں اپنی نمائش کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟ کچھ تو برقع پوش ہوکر فرقۂ باطلہ کے رد میں ویڈیوز بناتی ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟ کیا ہمارے علماء کرام اس فریضے کو بخوبی انجام نہیں دے رہے؟ کیا ہمارے علماء کا علم کافی نہیں کہ اب ہماری عالمات ویڈیوز بنا کر اسلام کی حرمت کو مجروح کر رہی ہیں؟ میری بہنو! کس مفتی صاحب نے آپ سے کہا کہ یہ جائز ہے؟

اس کے بعد کچھ عالمات کا ایک الگ ہی ٹرینڈ چل پڑا ہے کہ چہرے پر اسٹیکر (ایموجی) لگا کر یا پھر آدھے چہرے یا ہاتھ یا پاؤں کی تصویر واٹس ایپ، انسٹاگرام، فیس بک، اسنیپ چیٹ اسٹیٹس پر لگاتی ہیں۔ استغفر اللہ! میری بہنو! کیا اسی لئے آپ عالمہ بنی ہیں؟ کیا مدرسوں میں یہی تعلیم دی جاتی ہے؟

غیر محرموں سے رابطے کا سب سے بدتر پلیٹ فارم اسنیپ چیٹ، انسٹاگرام اور فیس بک ہے، جہاں بغیر نمبر کے ہزاروں غیر محرموں سے رابطے کا ذریعہ ہے۔ لیکن اب تو ہماری عالمات سب سے زیادہ انہی پلیٹ فارمز پر ایکٹیو ہیں۔ اتنا ضرور کہوں گا کہ ان معاملات میں ان کے والدین ہی قصوروار ہیں کیونکہ مدرسوں سے انہیں دین کا علم حاصل ہوتا ہے لیکن ماں باپ کی لاپرواہی کی وجہ سے سوشل میڈیا پر مجرا کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اللہ خیر کرے۔

اور حد تو تب ہوگئی جب کچھ عالمات نے باضابطہ برقع پوش ہوکر سوشل میڈیا پر مجرا کرنا شروع کردیا، کبھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ، کبھی مدرسے میں، کبھی گھر۔ یہ حال ہے بعض عالمات فاضلات کا۔ تو سوچیں قوم کی ان بہنوں کا کیا حال ہوگا جو اسکول و کالجز سے تعلیم یافتہ ہیں۔ پھر عالمہ اور جاہلہ میں کیا فرق رہ گیا؟ خدارا چند لائک اور فالورز کے لئے اپنے ماں باپ کی عزت کو پامال نہ کرو۔ آپ نے دین کا علم حاصل کیا ہے تو دین پر ہی قائم رہو، دنیا کے فتنوں میں نہ پڑو۔ آپ سب کنیزِ فاطمہ ہیں، اپنے عزت و وقار کو مجروح نہ ہونے دو۔ آپ نے علم حاصل کیا ہے تو اس کا مقصد

خدمتِ دین ہی ہو۔ قوم کی ان ماں بہنوں کی اصلاح کرو جو آپ کی طرح عالمہ نہ بن سکیں۔ خود بھی عمل پیرار ہو اور دوسروں کو بھی عمل پیرا بناؤ۔ ان شاء اللہ الرحمن، اللہ رب العزت بہتر اجر عطا فرمائے گا۔

اور ہو سکتا ہے کہ اس فقیر قادری کی کوئی بات آپ کو تلخ لگی ہو، اس کے لئے معذرت خواہ ہوں، لیکن کیا کروں حالات بد سے بدتر ہیں، اصلاح و تنبیہ بھی ضروری ہے۔

اللہ مجدہ الکریم تمام بہنوں کو کنیزِ فاطمہ بنائے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم سب کو مسلکِ اعلیٰ حضرت پر سختی سے کاربند فرمائے۔

آمین ثم آمین یارب العالمین۔

نوٹ: بغیر کسی چھیڑ چھاڑ کے اسے اپنی تمام عالمہ بہنوں تک شیئر کریں تاکہ وہ اپنی اصلاح کرے جزاک اللہ خیرا کثیرا

از قلم:

سرفراز احمد قادری امجدی

بانی و صدر محبوب الاولیاء فاؤنڈیشن لہوریا شریف ضلع سیتامڑھی بہار

ڈرائیور کے لیے تعلیم لازمی مگر حکمران کے لیے نہیں؟
جمہوری نظام میں اہلیت کے معیار پر ایک سنجیدہ سوال

ـــــــــــــــــــــــ از: سید عارف علی رضوی کلیان (سابق پرنسپل، اینگلو اردو ہائی اسکول نیرل)

ہندوستان کے قانونی اور انتظامی نظام کا بنیادی مقصد عوام کی جان، مال اور حقوق کا تحفظ ہے۔ اسی اصول کے تحت مختلف پیشوں کے لیے اہلیت کے معیارات مقرر کیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر بھاری گاڑیوں کے ڈرائیوروں کے لیے تعلیمی قابلیت کو اس بنیاد پر ضروری قرار دیا جاتا ہے کہ وہ ٹریفک سگنلز، سڑک کے قوانین اور حفاظتی ہدایات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں تاکہ کسی حادثے کا خطرہ کم ہو اور عوام کی سلامتی یقینی بنائی جا سکے۔

لیکن اسی تناظر میں ایک نہایت اہم آئینی اور سماجی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک ڈرائیور کے لیے عوامی تحفظ کے نام پر تعلیمی معیار ضروری سمجھا جاتا ہے تو پھر ملک کی باگ ڈور سنبھالنے والے عوامی نمائندوں کے لیے کوئی لازمی تعلیمی شرط کیوں نہیں رکھی گئی؟

ہندوستانی آئین کے آرٹیکل ۸۴ اور آرٹیکل ۱۷۳ کے مطابق پارلیمنٹ اور ریاستی اسمبلیوں کے انتخابات میں حصہ لینے کے لیے شہریت، عمر اور دیگر قانونی شرائط تو مقرر ہیں مگر تعلیمی قابلیت ان میں شامل نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک غیر تعلیم یافتہ شخص بھی الیکشن لڑ سکتا ہے اور عوام کی تائید حاصل کرنے کی صورت میں میئر، رکن اسمبلی، وزیر اعلیٰ بلکہ وزیر اعظم جیسے اعلیٰ ترین عہدوں تک پہنچ سکتا ہے۔

یہ بحث کسی فرد یا طبقہ کو نشانہ بنانے کے لیے نہیں بلکہ ایک اصولی اور اصلاحی سوال کے طور پر سامنے آتی ہے کہ کیا ایسے افراد جو بنیادی تعلیمی فہم سے بھی محروم ہوں وہ پیچیدہ آئینی، معاشی اور انتظامی معاملات میں مؤثر اور دور رس فیصلے کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں؟ کیونکہ عوامی نمائندوں کے فیصلوں کا اثر صرف چند افراد تک محدود نہیں بلکہ پورے ملک اور کروڑوں شہریوں کی زندگیوں پر پڑتا ہے۔

ماضی میں اس موضوع پر عدالتی بحث بھی

ہو چکی ہے۔ مثلاً پنچایت انتخابات میں تعلیمی قابلیت کی شرط کے حوالے سے سپریم کورٹ نے راج بالا بنام ریاست ہریانہ (۲۰۱۵) کے مقدمہ میں اس شرط کو برقرار رکھا تھا۔ اس پس منظر میں یہ سوال مزید اہم ہو جاتا ہے کہ اگر نچلی سطح کی قیادت کے لیے تعلیمی معیار قابل قبول ہو سکتا ہے تو اعلیٰ سطح کی قیادت کے لیے اس پر سنجیدہ غور کیوں نہ کیا جائے؟

جمہوریت یقیناً سب کو مساوی مواقع دینے کا نام ہے، مگر اچھی حکمرانی (Good Governance) کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ قیادت میں بنیادی اہلیت اور فہم و بصیرت موجود ہو۔ اس لیے یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر پارلیمنٹ، الیکشن کمیشن آف انڈیا اور سپریم کورٹ آف انڈیا کو آئینی حدود کے اندر رہتے ہوئے سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے تاکہ جمہوری حقوق اور مؤثر حکمرانی کے درمیان ایک متوازن نظام قائم کیا جا سکے۔

آخر میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ قیادت صرف عوامی مقبولیت کا نام نہیں بلکہ ذمہ داری، اہلیت اور بصیرت کا تقاضہ بھی کرتی ہے۔ ایک تعلیم یافتہ اور باصلاحیت قیادت ہی ملک کو صحیح سمت میں آگے لے جا سکتی ہے۔



امام احمد رضا بحیثیتِ عاشق رسول ﷺ

ـــــــــــــــــــــــ از قلم: محمد شاہد رضا قادری منظری بریلوی (اسلامپور، اتر دیناجپور، مغربی، بنگال۔الھند)

محترم قارئین! اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

ترجمہ: اگر تم مجھ (اللہ) سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرے محبوب پاک صاحب لولاک ﷺ سے محبت کرو۔

اور حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ

لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت کا کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے ماں باپ، بیٹے، بیٹیوں، اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے۔

اور حضرت عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ مجھے میری جان کے سوا ہر چیز سے پیارے ہیں، سرکار مدینہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، کوئی ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کی جان سے بھی پیارا نہ ہو جاؤں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی آقا اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں، فرمایا، اے عمر! اب تیرا ایمان کامل ہوگیا: اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، یارسول اللہ ﷺ قیامت کب آئے گی، فرمایا: قیامت کے لیے تونے کیا تیاری کی ہے، اس نے عرض کی نہ بہت سی نمازیں جمع کی ہیں، اور نہ روزے اور نا ہی صدقے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ضرور کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: پھر تو قیامت میں انہیں کے ساتھ ہوگا، جن سے محبت رکھتا ہے، عشق اور محبت کسے کہتے ہیں اور اللہ رسول سے عشق و محبت کا مطلب، اور محبت کی علامت کیا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت سیدنا امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ محبت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ طبیعت کا کسی لزیز شئی کی طرف مائل ہوجانا محبت کہلاتا ہے اور جب یہ میلان قوی، اور پختہ ہو جائے اسے عشق کہتے ہیں، یعنی کسی پسندیدہ چیز سے تعلق قائم ہوجانا محبت کہلاتا ہے، اور جب وہی تعلق شدت اختیار کر جائے تو اسے عشق کہتے ہیں۔

اور اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعشق کا مطلب یہ ہے کہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری والے کام کیے جائیں اور حضرت سیدنا سہل بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اللہ عزوجل سے محبت کی علامت قرآن سے محبت کرنا ہے، اور محبتِ قرآن کی علامت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہے، اور محبت رسول کی علامت ان کی سنت سے محبت کرنا ہے، اور ان سب سے محبت کی علامت آخرت سے محبت کرنا ہے، اور آخرت سے محبت کی علامت اپنے آپ سے محبت کرنا ہے، اور خود سے محبت کی علامت دنیا سے بغض رکھنا ہے، اور دنیا سے بغض کی علامت اس سے بقدر ضرورت کے علاوہ کچھ نہ لینا ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، ج۱، ص ۷، صحیح مسلم، کتاب الایمان، ج۱، ص ۴۹، سنن ابن ماجہ، باب فی الایمان، ص ۸، سنن نسائی، کتاب الایمان، ج۲، ص ۲۳۲، مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان، ص ۱۲/احیاء العلوم، ج۵، ص۶)

احباب گرامی! اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالی سے محبت کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی جائے، اور پکا سچا مسلمان بننے کا معیار یہ ہے کہ والدین، اولاد، اور تمام لوگوں سے زیادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی جائے، گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہی اصل ایمان ہے، امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق اور محبت تھا، آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مستغرق تھے، صوفیا میں جو فنا فی الرسول کی اصطلاح ہے وہ آپ پر بالکل صادق و صادر آتی ہے آپ کی زندگی کا اصل مقصد ہی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا آپ سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عشق رسول ہاشمی کی ایک پگھلتی ہوئی شمع تھے ۱۴ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء/ سے ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء/ تک نصف صدی سے زائد عرصہ آپ مسلمانانِ عالم کو محبت کے جام پلاتے رہے کیونکہ اسلام کی جان اور روح یہی ہے اسی لیے آپ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں اپنی تمنا پیش کرتے ہیں:

کروں تیرے نام پہ جاں فدا، نہ یہ ایک جاں، دو جہاں فدا

دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

احباب اہلسنت! امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مشن آپ کی تصانیف کے ذریعے آج بھی جاری ہے، آپ کی قلمی نگارشات قیامت تک مسلمانوں کو مست جام بادہ الفت اور ساقی کوثر و تسنیم کا والا شیدائی بناتی رہیں گی، کسی نے کیا خوب کہا:

جس نے ہر دل میں لگائی عشق احمد کی لگن
وہ امام عاشقاں امام احمد رضا خاں قادری
گُل ہزاروں کھلے گلشنِ دہر میں
پھول اعلیٰ کِھلا، شاہِ احمد رضا

عزیزانِ گرامی! جب دوسری مرتبہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ آقائے کونین سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس وانور میں حاضر ہوئے تو شوق دیدار کے ساتھ مواجہ عالیہ میں درود و شریف پڑھتے رہے، امید تھی کہ ضرور سرکار مدینہ قرار قلب وسینہ صاحبِ معطر پسینہ صلی اللہ علیہ وسلم عزیز افزائی فرمائیں گے، لیکن پہلی شب تکمیل آرزو نہ ہوسکی، یاس و حسرت کے عالم میں ایک نعت کہی، جس کا مطلع یہ ہے،

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مقطع میں عاشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ناز۔۔ ایک جلیل القدر والی کا عرفان، پھر بے کسی و محرومی کا اظہار کچھ عجب انداز لیے ہوئے نظر آتا ہے، عرض کرتے ہیں،

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

مواجہ شریف میں یہ نعت عرض کی اور مؤدب و منتظر بیٹھ گئے، قسمت جاگی، حجاب اٹھا، اور عالم بیداری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور جمال جہاں آراء کے دیدار سے شرفیاب ہوئے۔

قبولیت ملی ہے جس کو دربار رسالت میں
رضائے احمد مختار یا احمد رضا تم ہو

محبان گرامی! آپ کا اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار ہونا ایک عالم بلکہ مخالفین کے نزدیک بھی مسلم ہے، اور محبت وہ نازک اور لطیف جزبہ ہے جو محبوب کی شان میں توہین تو کیا کسی ادنیٰ سی بے ادبی کو بھی برداشت نہیں کرسکتا، امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت کے الفاظ ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں۔ جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو، فوراً اس سے جدا ہوجاؤ، جس

کو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ذرا بھی گستاخ دیکھو! پھر تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کیطرح نکال کر پھینک دو، امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے عشق کی ایک جھلک اور ملاحظہ ہوں ! ملفوظات میں جہاں ولادت کی تاریخوں کے متعلق فرمایا، وہاں یہ بھی کہا: بحمد اللہ تعالیٰ، اگر قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم! ایک پر لاالہٰ الا اللہ لکھا ہوگا، اور دوسرے پر محمد رسول اللہ لکھا ہوگا،

(جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم)

شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتیٔ اعظم عالم ہند محمد مصطفیٰ رضا خان نوری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی والد بزرگوار کی طرح فرمایا،، اور کیا خوب فرمایا:

خدا ایک پر ہو اور اک پر محمد

اگر قلب اپنا دو پارہ کروں میں

حدیث شریف کا ادب واحترام:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی محبت کیوجہ سے حدیث پاک کا بے انتہا ادب فرماتے تھے، ہمیشہ درسِ حدیث ادب کے ساتھ دوزانوں بیٹھ کر دیا کرتے، احادیث کریمہ بغیر وضو نہ چھوتے، اور نہ پڑھا کرتے، کتب و احایث پر کوئی دوسری کتاب نہ رکھتے، حدیث کی شرح وضاحت کے دوران اگر کوئی شخص بات کاٹنے کی کوشش کرتا تو سخت ناراض ہوتے، یہاں تک کہ چہرہ مبارک غصے کیوجہ سے سرخ ہوجاتا، حدیث پاک پڑھاتے وقت پاؤں زانو پر رکھ کر بیٹھنے کو ناپسند فرماتے تھے،

عزیزانِ گرامی وقار! ہمیں چاہیے کہ ہم بھی امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قرآن و حدیث کے ادب و احترام کا خاص خیال رکھا کریں، نیز قرآن و حدیث اور سنتوں بھرے بیانات سنتے ہوئے بھرپور توجہ اور تمام تر آداب کا خیال رکھیں، اور بے ادبی اور غفلت و لاپروائی سے بچا کریں، یاد رکھیے کہ ادب انسان کو کامیابی کی بلندیوں کو پہنچا دیتا ہے، اور بے ادبی ناکامیابیوں اور محرومیوں کی دلدل میں دھنسا دیتی ہے، افسوس! آج کل تو ہر طرف بے ادبی کا دور دورہ ہے، بالخصوص مبارک اسما اور مقدس اوراق کا ادب و احترام تو اب تقریباً ختم ہوتا جارہا ہے، بسا اوقات اللہ عزوجل اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کے اور آیات قرآنیہ والے اوراق سرراہ بلکہ معاذ اللہ گندگی نالیوں تک میں پڑے دکھائی دیتے ہیں، یونہی بعض لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کی شان عظمت نشان میں جان بوجھ کر یا بے توجہی کی سبب ایسے ایسے الفاظ بول جاتے یا لکھ ڈال دیتے ہیں، جو آپ کے شایان شان نہیں ہوتے، اللہ کریم ہمیں باادب بنائے، اور بے ادبوں کی صحبت اور ان کی تحریریں پڑھنے سے محفوظ رکھے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

محفوظ سدا رکھنا شہا! بے ادبوں سے
اور مجھ سے بھی سرزد نہ کبھی بے ادبی ہو

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ عزوجل اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص کرم تھا کہ آپ کی تحریر کا انداز اس قدر دلکش ہے کہ خود ادب کو بھی اس پر ناز رہے گا، یوں تو آپ تمام مبارک ہستیوں کا دل وجان سے ادب بجا لاتے، مگر پیارے آقا دونوں عالم کے داتا صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں تو بہت زیادہ ادب کا لحاظ رکھا کرتے تھے، اگر کسی کی تحریر یا گفتگو سے معاذ اللہ شان رسالت میں بے ادبی کا پہلو نکلتا یا کسی لفظ سے شان اقدس میں کمی کی بو بھی محسوس ہوتی تو فوراً تنبیہ فرماتے، نیز اپنی تحریریوں اور نعتیہ شاعری میں بھی اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے بچتے۔

دعائے راقم الحروف: رب قدیر جل جلالہ کی بارگاہ صمدیت میں دعا گو دعا جو ہے کہ رب قدیر جل جلالہ اپنا خاص فضل و کرم سے اور اپنے مولیٰ کا پیارا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم، دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتوسل ہمارے عقائد ایمان کی حفاظت فرما، اور ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق فرما، نماز، روزے، حج و عمرہ، زکوٰۃ اور تمام دینی فرائض واجبات سنن نوافل کو اپنے مقررہ وقتوں میں ادا کرنے کی توفیق فرما، اور اپنے جان و مال آل و اولاد سے زیادہ عقیدت و محبت الفت و چاہت اپنے پیارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے رکھنے کی توفیق فرما، اور اپنے پیارے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ صحابہ کرام مشائخ عظام اور علما اکابر اہلسنت سے سچی پکی محبت والفت کرنے کی توفیق فرما، اور تمام صحابہ، اولیا اور بزرگان دین اور تمام سادات کرام و مشائخ عظام کی بے ادبی سے بچنے کی خیر توفیق فرما، اور ہم غربا اہلسنت کے ایمان و عقیدہ جان و مال عزت وآبرو کی حفاظت فرما، اور بالخصوص قرآن و حدیث صحابہ کرام مشائخ عظام اولیائے کرام اسلاف کرام بزرگان دین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما، بالخصوص مسلکِ اعلیٰ حضرت پر سختی سے قائم ودائم فرما، تعلیماتِ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق ورفیق عطا فرما، اور بالخصوص مشائخ مارہرہ شریف، مشائخ کالپی

شریف، مشائخ بیدایوں شریف، مشائخ بالگرام شریف، مشائخ کچھوچھہ شریف، مشائخ مسولی شریف، اور خانقاہ قادریہ برکاتیہ رضویہ نوریہ اور دیگر مشائخ عظام کے بزرگوں کو جملہ امراض سے شفا فرما، خیر وعافت عطا فرما، اور صحت و تندرستی عطا فرما، اور تا دیر سبھوں کے روحانی ایمانی عرفانی نورانی فیضان سے ہم غربائے اہلسنت کو مستفیض فرما، بالخصوص حضور محدث کبیر و حضور قائد ملت صاحبان کو تمام امراض سے کامل اکمل شفا فرما، صحت کاملہ عاجلہ نافعہ عطا فرما، اور حاسدین و مخالفین سے محفوظ فرما۔ آمین، یارب العالمین جل جلالہ وبجاہ النبی الامین الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور مجدد برکاتیت اور تبرکات مبارکہ

--------از قلم: محمد مصیب الرحمٰن قادری (اتر دیناج پور، بنگال- متعلم: دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی، بستی، یوپی)

اللہ رب العزت ہر زمانے میں اپنے خاص بندوں کو دین کی تجدید، امت کی رہنمائی، اور عشقِ رسول ﷺ کی شمع فروزاں رکھنے کے لیے بھیجتا رہتا ہے۔

انہی برگزیدہ ہستیوں میں ایک روشن نام حضور مجدِد برکاتیت، حضرت سید شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن قادری برکاتی شاہ جی میاں قدس سرہ العزیز کا ہے۔

آپ علم و عرفان، تقویٰ و طہارت، اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے پیکر تھے۔

آپ نے دین کی تجدید فرمائی، سلوک و تصوف کی راہیں روشن کیں، اور ہزاروں قلوب کو ایمان و محبت کی روشنی بخشی۔ آپ کے تبرکاتِ مبارکہ اہلِ ایمان کے لیے باعثِ برکت ہیں۔

* مجدد کی تعریف *

مجدد اس شخصیت کو کہا جاتا ہے جو کسی صدی کے اختتام یا آغاز پر دینِ اسلام کی تجدید کرے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها"

"بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے آغاز میں ایک ایسے شخص کو مبعوث فرمائے گا جو اس امت کے لیے دین کی تجدید کرے گا۔" (ابوداؤد، حدیث)

یعنی جب دین کے کاموں میں کمزوری، بدعات، اور گمراہ کن نظریات کا غلبہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کسی ایسے بندے کو بھیجتا ہے جو شریعتِ محمدی ﷺ کی اصل تعلیمات کو تازہ کر دے، امت کو راہِ حق دکھائے، اور دینی علوم کو زندہ کرے۔

اسی حدیث کی روشنی میں علمائے کرام نے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو "مجددِ ملت" فرمایا ہے۔ آپ نے اپنے زمانے میں دینِ اسلام کی خالص تعلیمات کی حفاظت فرمائی، بدعات و خرافات کے خلاف جہاد کیا، اور قرآن و سنت کے اصل پیغام کو لوگوں تک پہنچایا۔

اے امام اہلسنت تاجدار علم و فن

خوب کی تجدید ملت تم نے اے سرو چمن
(انوار البیان/جلد اول)

تبرک سے مراد:

تبرک سے مراد کسی نیک، مقدس یا بابرکت چیز سے اللہ تعالیٰ کی برکت حاصل کرنا ہے۔

تبرکات کیا تھے، موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کی نعلین مبارک اور ہارون علیہ السلام کا عمامہ مقدسہ وغیرہ، (فتاویٰ رضویہ جلد ۲۱)

یعنی کسی ایسی چیز یا مقام سے فیض حاصل کرنا جو انبیاء، اولیاء یا صالحین سے منسوب ہو۔

جیسے: اولیاء و صالحین کے تبرکات، ٹوپی، جبہ، تسبیح، مصلّیٰ وغیرہ۔

ولادتِ باسعادت:

آپ کی ولادتِ باسعادت ۳؍ محرم الحرام ۱۲۷۲ھ، مطابق ستمبر ۱۸۵۵ء میں مارہرہ مطہرہ میں ہوئی۔۔۔۔آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے توسط سے حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم تک پہنچتا ہے۔

جوانی میں قرآنِ مجید حفظ کرنا شروع کیا اور ۱۲۹۳ھ میں حفظ مکمل فرمایا۔

آپ کے والدِ ماجد حضرت سید شاہ محمد صادق نے اس موقع پر سیتاپور میں ایک عالی شان مسجد تعمیر فرما کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

آپ اپنے نانا حضرت شاہ غلام محی الدین رحمۃ اللہ علیہ سے مرید ہوئے۔

حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم حاصل کیے۔

اپنے والد حضرت شاہ محمد صادق صاحب اور حضرت نوری میاں سے خلافت و اجازت حاصل کی۔

تصلب فی الدین میں بزرگانِ مارہرہ کے قدم بہ قدم تھے، اور یہی آپ کا سب سے نمایاں وصف تھا۔

اگر آپ کسی کو راہِ حق سے ذرا بھی ہٹتا ہوا دیکھتے تو اصلاح کرنے میں بالکل تامل نہ فرماتے، خواہ وہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو۔

آپ نے اپنی انتھک کوششوں سے دینی علوم حاصل کیے اور اپنی اولاد و اقربا کو بھی تعلیمِ دین دی۔

اس کے علاوہ آپ نے بیش قیمت ادا کر کے اپنے بزرگوں کی کتابیں جمع فرمائیں اور خاندانی کتب خانے کو محفوظ کیا نیز خاندانی روایات کا بھی تحفظ فرمایا۔

آپ نے ۱۳۰۰ھ میں حج فرمایا، آپ کا تخلص "وقار" تھا، آپ کی زوجۂ محترمہ کا نام سیدہ منظور فاطمہ تھا۔

آپ سے دو صاحبزادے تولد ہوئے:

(۱) حضرت سید شاہ غلام محی الدین فقیرِ عالم قدس سرہ، (۲) تاج العلماء حضرت سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قدس سرہ۔ (تاریخ خاندان برکات)

* تبرکاتِ خاندانی اور امانتِ ولایت *

فقیر عرض کرتا ہے کہ جب اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کے سوانحِ حیات قلم بند کیے جاتے ہیں تو ان کے ظاہر و باطن دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے، کیونکہ اولیاء کے حالات صرف تاریخ نہیں بلکہ روحانیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

ان کے ہر قول، عمل، اور نسبت میں معرفتِ الٰہی اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشبو رچی بسی ہوتی ہے۔

اسی طرح جب آپ کی زندگی کے حالات پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ آپ کی شخصیت محض علمی و روحانی مقام کی حامل نہیں، بلکہ آپ اپنے بزرگوں کی امانتوں کے امین اور ان کے فیضان کے مظہر ہیں۔

آپ کی سیرت میں جہاں علم، زہد، اور تقویٰ کی روشنی ہے، وہیں نسبتِ خاندانی اور فیضانِ ولایت کی جھلک بھی نمایاں نظر آتی ہے۔

آپ کے بزرگوں نے جب آپ کی صلاحیت، اخلاص، اور صدقِ نیت کو دیکھا تو آپ پر بے شمار عنایات فرمائیں۔

آپ کو صرف دعا و برکت سے نوازا نہیں گیا بلکہ اُنہوں نے اپنی قیمتی امانتیں اور تبرکات بھی آپ کے سپرد فرمائے۔

یہ محض ظاہری چیزیں نہیں تھیں، بلکہ روحانی اعتماد کی علامت تھیں۔

وہ جانتے تھے کہ یہ امانتیں ایک ایسے وارث کے ہاتھ میں جا رہی ہیں جو نہ صرف ان کی حفاظت کرے گا بلکہ ان کے فیوض کو آگے منتقل کرے گا۔

الحمدللہ! آج آپ کے قبضہ و اختیار میں وہ بیش قیمت تبرکاتِ خاندانی موجود ہیں جو "سرکارِ کلاں" کے فیضان سے منسلک ہیں۔

ان میں سے بعض تبرکات مشترکہ طور پر محفوظ ہیں جن کے آپ مالک، قابض اور متولی ہیں۔

علاوہ ازیں بہت سے ایسے خالص خاندانی

اور نادر تبرکات بھی آپ کے زیرِ قبضہ ہیں جو صرف آپ کے خاندان کے مخصوص فیضان کی علامت ہیں۔

ان برکتوں میں وہ بابرکت بسم اللہ شریف بھی شامل ہے جو خود حضرت غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک سے تحریر شدہ ہے۔

ایک ایسی تحریر جو قرونِ اولیٰ کے فیضانِ روحانیت کی نشان دہی کرتی ہے۔

اسی طرح آپ کے پاس بزرگانِ خاندان کے استعمال کردہ ملبوسات، تسبیحیں، دستاریں اور دیگر برکتوں سے معمور اشیاء موجود ہیں۔

ان ہی میں سے ایک وہ مبارک دستارِ خوشی کا ٹکڑا ہے جو حضور صاحب البرکات نے اپنے دستِ مبارک سے عطا فرمایا تھا۔

یہ تبرک محض کپڑے کا ایک حصہ نہیں بلکہ ولایت و برکت کی ایسی نشانی ہے جس سے روحانیت کی خوشبو آتی ہے۔

یہ تمام تبرکات آج بھی آپ کے وجود سے فیض دے رہی ہیں۔

جو بھی ان کے قریب آتا ہے، اسے روحانی سکون، اطمینانِ قلب، اور نسبتِ اولیاء کی لذت حاصل ہوتی ہے۔

یہ فیضان دراصل ان روحانی امانتوں کی علامت ہے جو نسل در نسل اہلِ نسبت کے قلوب میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

فقیر کہتا ہے کہ یہ سب کچھ آپ کے مقامِ ولایت اور نسبتِ روحانی کا مظہر ہے۔

ایسے ہی افراد کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی امانتوں کا امین بناتا ہے تاکہ سلسلۂ ولایت کبھی منقطع نہ ہو۔

آپ کے ہاتھوں میں یہ امانتیں ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اُن فیوض و برکات کے حقیقی وارث ہیں جو آپ کے بزرگوں کے سینوں سے منتقل ہوئے۔

یہ تبرکات محض ظاہری چیزیں نہیں بلکہ باطنی فیضان کے ظاہری مظاہر ہیں—

ان کے ذریعے عشقِ رسول، محبتِ اولیاء، اور نسبتِ اہلِ اللہ کا چراغ آج بھی روشن ہے۔

جو ان کی قدر کرے، گویا اس نے ولایت کی خوشبو محسوس کر لی، اور جو ان سے محبت کرے، وہ دراصل اُن پاک نفوس سے جڑ جاتا ہے جن کی نسبت یہ امانتیں ہیں۔ (تاریخ خاندان برکات)

وصالِ پر ملال:

حضرت سید شاہ ابو القاسم محمد اسماعیل حسن

میاں قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ برکاتی خانوادے کے جلیل القدر مشائخ میں سے تھے۔

آپ نے اپنی پوری زندگی تبلیغِ دین، اصلاحِ امت، اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فروغ میں گزاری۔

آپ کی مجلس علم و عرفان کا گلشن تھی، جہاں طالبانِ حق کو فیضِ روحانی نصیب ہوتا تھا۔

۱۳۴۳ھ میں آپ کا وصالِ پرملال مارہرہ مطہرہ میں ہوا۔

آپ کی وفات سے اہلِ طریقت و شریعت کے دلوں پر غم واندوہ کی گھٹائیں چھاگئیں۔

آپ کا مزارِ اقدس آج بھی درگاہِ عالیہ مارہرہ مطہرہ میں مرجعِ خلائق ہے، جہاں عقیدت مند حاضر ہوکر روحانی تسکین حاصل کرتے ہیں۔

آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ اگر انتقالِ مقدسہ کے وقت کسی اور جگہ ہوں تو میرا دفن بہر صورت مارہرہ مطہرہ میں کیا جائے؛

چنانچہ اسی کے مطابق آپ کو وہیں سپرد خاک کیا گیا۔ (سیدین نمبر)

اختتامی دعا:

آپ کا فیضان آج بھی جاری وساری ہے۔

اہلِ محبت آپ کے مزار پر آکر روحانی سکون پاتے ہیں، اور آپ کی یاد اہلِ سنت کے دلوں میں ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گی۔

اے اللہ! حضرت سید شاہ ابو القاسم محمد اسماعیل حسن میاں قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرما۔

ان کی قبر کو نورِ ایمان سے منور کردے، ان کے درجات جنت الفردوس میں بلند فرما، اور ان کے علم و عمل کا فیض تاقیامت جاری وساری رکھ۔

اے ربِّ کریم! انہیں اپنے خاص مقرب بندوں میں شامل فرما، ان کے مزار کو مرکزِ فیض و رحمت بنا، اور وہاں آنے والوں کے دلوں کو سکون وراحت عطا فرما۔

یا اللہ! ہمیں بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے، دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے، اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرما۔

ان کے وسیلے سے ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ہمارے دلوں کو ایمان و یقین سے بھر دے، اور ہمیں اپنے صالح بندوں میں شامل فرما، آمین یارب العالمین، بحقِ سیدِ المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

☆☆☆☆

وجودِ باری تعالیٰ اور ملحدین کی بے عقلی

ــ ــ از: مفتی محمد رضا قادری رفاعی مرکزی (خادم التدریس والافتاء، الجامعۃ القادریہ نجم العلوم مالیگاؤں 8446974711)

کائنات کی وسعتوں میں اگر کوئی آنکھ رکھنے والا انسان ایک لمحہ بھی تدبّر کرے تو سب سے پہلا سوال جو اس کے دل میں گونجتا ہے وہ یہی ہے:

"یہ سب کچھ خود بخود کیسے بن گیا؟"

اور یہی وہ محوری نکتہ ہے جہاں ایمان والے کو یقین کا سحر اور ملحد کو اپنی ہی عقل کا قحط آلیتا ہے۔

رات کے آسمان کو دیکھ لیجئے۔ کروڑوں ستارے منظم راستوں پر چل رہے ہیں، ایک بھی ٹکرا نہیں جاتا۔ سورج کی حرارت کا پیمانہ ایک انچ بھی اوپر نیچے ہو جائے تو زندگی کا وجود ختم ہو جائے۔

سوال یہ ہے: کیا ایسا کامل ترین نظام کسی اندھے اتفاق کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟

اگر کوئی شخص کہے کہ "ایک لائبریری میں موجود لاکھوں کتابیں خود سے ٹائپ ہو کر شیلفوں پر سجی ہیں" تو ہم اس کی عقل پر ماتم ہی کریں گے۔ پھر اتنی بڑی کائنات کی لائبریری بغیر کسی مصمم ارادے، بغیر کسی صنّاع کے، خود بخود کیسے بن گئی؟

ملحدین کا اصول صرف یہ ہے کہ "جو نظر آئے وہی حقیقت، جو دکھائی نہ دے وہ ماننا نہیں!" لیکن یہی اصول ان کی عقل کے منہ پر تماچا ہے۔

ہوا نظر نہیں آتی مگر سب مانتے ہیں۔ خوشبو نظر نہیں آتی مگر محسوس ہوتی ہے۔ محبت کا رنگ نہیں، دوستی کی شکل نہیں، لیکن دل ان سے آباد ہیں۔ اگر "نظر نہ آنے" سے وجود کا انکار ہوتا، تو ملحد کا اپنا دماغ بھی تسلیم نہ کیا جائے کیونکہ وہ بھی نظر نہیں آتا!

اگر آپ کسی باغ میں جائیں اور دیکھیں کہ پھول ترتیب سے لگے ہیں، راستے صاف ہیں، پانی نالیوں میں بہہ رہا ہے...

تو کیا آپ کہیں گے: "یہ سب طوفان کی وجہ سے اتفاقاً بن گیا ہے؟" ہرگز نہیں۔ تو پھر یہ زمین، آسمان، سمندر، پہاڑ، پرندے، انسان کا جسم...

کیا یہ سب ایک زبردست کاریگر، ایک عظیم

مدبّر کے بغیر وجود میں آسکتے تھے؟

کائنات کا ہر ذرّہ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے: "کہیں نظم ہو اور ناظم نہ ہو یہ ناممکن ہے!"

انسان کا دل ایک فیکٹری ہے، خود بخود دھڑک رہا ہے۔

دماغ بجلی کے اعلیٰ ترین نظام سے زیادہ باریک حسابات کر رہا ہے۔

آنکھ کی کیمرہ جیسی ساخت جدید ٹیکنالوجی کو حیران کرتی ہے۔ ملحد دیکھتا تو سب کچھ ہے مگر کہتا ہے: "یہ سب خود ہی بن گیا!"

یعنی ایک موبائل فون بننے کے لیے بھی کمپنی، انجینئر اور مشینیں چاہئیں... لیکن انسان جیسے شاہکار کے وجود کے لیے کوئی بنانے والا نہ ہو؟ یہ وہ بے عقلی ہے جسے عقل بھی دیکھ کر شرما جائے۔

ہر بچہ پیدا ہوتے ہی کسی اعلیٰ ہستی کی طرف جھکتا ہے۔

آزمائش پڑے تو ہر دل خود بخود آسمان کی طرف اٹھ جاتا ہے۔ یہ وہ فطری آواز ہے جو کہتی ہے: "اے انسان! تیرا کوئی بنانے والا ضرور ہے!"

اگر سونا تپش میں پگھل کر زیور بنے تو اس کے پیچھے سنار کا ہاتھ ہوتا ہے، اگر لکڑی شکل بدل کر میز بنے تو اس کے پیچھے بڑھئی کا فن ہوتا ہے، اور جب انسان، زمین، آسمان وجود میں آئے تو اس کے پیچھے...؟ ملحد کہتا ہے: کچھ بھی نہیں! یہ بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے؟

سائنس کی ہر دریافت یہ اعلان کرتی ہے کہ کائنات میں نظم، دقت، حکمت اور توازن ہے۔ اور جہاں نظم ہو وہاں ناظم لازم ہے۔ جہاں قانون ہو وہاں قانون بنانے والا ہوتا ہے۔ جہاں مشین ہو وہاں انجینئر ہوتا ہے۔ اور جہاں کائنات ہو وہاں...

ربّ العالمین ہوتا ہے!

ملحدین سے پوچھیں:

کائنات کیوں ہے؟

کیسے بنی؟

کس نے چلایا؟

اور مقصد کیا ہے؟

وہ جواب نہیں دے پاتے۔

سوائے یہی کہنے کے کہ "اتفاق... اتّفاق..."

اور یہ اتفاق کا لفظ اسی طرح ہے جیسے کوئی بچہ ہر سوال پر کہہ دے "پتہ نہیں"۔

انسان کا دل ایک شمع ہے۔

ایمان اسے روشن کرتا ہے،

ملحدانہ نظریات اسے بجھا دیتے ہیں۔

کائنات کا ہر ذرہ، ہر ہوا کا جھونکا، ہر دل کی دھڑکن، ہر لمحے کی حرکت... سب ایک ہی صدا دے رہے ہیں:

"وہ موجود ہے... وہ واحد ہے... وہی خالق، وہی مالک، وہی ربّ العالمین ہے!"

ملحد عقل کو خدا کا انکار کرانے کے لیے استعمال کرتا ہے، مومن اسی عقل کو خدا پہ ایمان لانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

اور یہی فرق روشنی اور اندھیرے کا،
یقین اور شبہے کا، سچ اور گمراہی کا ہے۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ لامذہبیت اور دہریت کی طرف رجحان رکھنے والے نوجوان اذہان کے سامنے حقیقتِ حال واضح کی جائے تاکہ وہ اس طرح کے مسائل کا شکار ہو کر اپنے ایمان، اعتقاد، مذہب اور دین سے متزلزل نہ ہوں۔

ملحدین کے رد کے لیے چند اہم کتب

شرحِ عقائدِ نَسفی اور ردِّ الحاد ایک جامع تعارف:

شرحِ عقائدِ نَسفی اہلِ سنّت کی وہ مستند، محققانہ اور اصولی کتاب ہے جس نے صدیوں سے ایمان کی فکری حفاظت کی ہے۔ یہ صرف عقائد کا نصابی متن نہیں بلکہ الحاد، تشکیک اور فلسفیانہ شبہات کے مقابل ایک مضبوط فکری حصار ہے۔

آج کے دور میں جب ملحدانہ اعتراضات نئے اسالیب میں سامنے آ رہے ہیں، یہ کتاب اپنی گہرائی، ترتیب اور استدلال کے سبب غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔

کتاب کا علمی مقام:

اصل متن عقائدِ نسفی امام ابو حفص عمر بن محمد النسفی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر مگر جامع رسالہ ہے، جس کی شرح امام سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی۔ یہ شرح محض توضیح نہیں بلکہ عقلی و نقلی دلائل کی ہم آہنگی، فلسفیانہ اعتراضات کا مدلل جواب، باطل فرقوں (معتزلہ، دہریہ، فلاسفہ) کی علمی تردید پر مشتمل ایک مضبوط علمی نظام ہے۔

ردِّ الحاد میں اس کی افادیت:

ملحدین کے بنیادی اعتراضات عموماً تین محوروں پر گھومتے ہیں: وجودِ باری تعالیٰ، صفاتِ الٰہیہ، اور عقل و وحی کا تعلق۔

شرحِ عقائدِ نسفی ان تینوں میدانوں میں نہایت متوازن، گہرا اور منطقی جواب فراہم کرتی ہے:

وجودِ خدا پر عقلی دلائل:

علت و معلول، امکان و وجوب، حدوثِ

عالم جیسے اصولی مباحث کے ذریعے دہریہ فکر کا قلع قمع کرتی ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ:

خدا کو محض "طاقت" یا "قانونِ فطرت" بنا دینے والی الحادی تاویلات کا علمی رد، اور صفاتِ حقیقیہ کا اثبات۔

عقل اور وحی کا توازن:

یہ کتاب نہ عقل پر پابندی لگاتی ہے اور نہ وحی سے بغاوت سکھاتی ہے، بلکہ دونوں کو ان کی حدود میں رکھ کر ملحدانہ افراط و تفریط کو بے نقاب کرتی ہے۔

نوجوانوں اور داعیانِ دین کے لیے اہمیت:

آج کے نوجوان ملحدین کے اعتراضات سوشل میڈیا، یوٹیوب اور بلاگز کے ذریعے سنتے ہیں۔ **شرحِ عقائدِ نسفی:** ذہنی کنفیوژن کو علمی وضاحت میں بدلتی ہے، مناظرانہ جوش کے بجائے استدلالی وقار سکھاتی ہے، ایمان کو جذبات نہیں بلکہ علم کی بنیاد پر مضبوط کرتی ہے۔

خلاصۂ کلام:

اگر مقصد الحاد سے بچاؤ، ایمان کی فکری حفاظت اور اعتراضات کا سنجیدہ جواب ہے تو شرحِ عقائدِ نسفی محض ایک "اچھی" کتاب نہیں بلکہ ضروری کتاب ہے۔ یہ کتاب چیخ کر نہیں، دلیل سے بات کرتی ہے۔ اور یہی اس کی سب سے بڑی قوت ہے۔

فقہِ اکبر ملحدین کے رد کے لئے مستند کتاب:

فقہِ اکبر امامِ اعظم حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب علمِ عقائد کی نہایت اہم اور مختصر مگر جامع کتاب ہے۔ اگرچہ نام میں "فقہ" آیا ہے، مگر اس سے مراد یہاں فقہی مسائل نہیں بلکہ فقہِ اکبر یعنی عقائدِ اسلام کی گہری سمجھ ہے۔ اسی بنا پر یہ کتاب اہلِ سنت کے ہاں علمِ عقیدہ کی بنیادی اور مستند متون میں شمار ہوتی ہے۔

فقہِ اکبر کی نسبت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے۔ محدثین و متکلمین کی ایک بڑی جماعت نے اس نسبت کو قبول کیا ہے، اور صدیوں سے یہ کتاب مدارسِ اسلامیہ میں پڑھائی جا رہی ہے۔

یہ رسالہ نہایت اختصار کے ساتھ اہلِ سنت و جماعت کے بنیادی عقائد بیان کرتا ہے، جن میں بالخصوص:

- اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات

- توحید، تنزیہ اور تقدیسِ باری تعالیٰ
- ایمان کی حقیقت اور اس کی تعریف
- انبیاء علیہم السلام، فرشتوں اور آسمانی کتابوں پر ایمان
- تقدیر (قضا و قدر) کا مسئلہ
- قیامت، حشر، جنت و جہنم
- رؤیتِ باری تعالیٰ
- ایمان اور عمل کا باہمی تعلق

یہ تمام مباحث نہ افراط کے ساتھ اور نہ تفریط کے ساتھ، بلکہ معتدل انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔

یاد رہے ردِ بدعات اور الحاد فقہِ اکبر کی ایک بڑی خصوصیت ہے۔۔ اور یہ بھی اس کتاب کی خصوصیات میں سے ہے کہ یہ ابتدائی دور میں اٹھنے والے گمراہ فرقوں جیسے خوارج، قدریہ، جہمیہ، معتزلہ کے افکار کا علمی رد فراہم کرتی ہے۔ اسی بنا پر آج کے دور میں بھی، جب الحاد اور تشکیک نئی صورتوں میں سامنے آ رہی ہے، فقہِ اکبر اہلِ علم کے لیے ایک مضبوط فکری بنیاد مہیا کرتی ہے۔

شروحات اور علمی مقام:

اس مختصر رسالے پر متعدّد جلیل القدر علماء نے شروحات لکھی ہیں، جن میں خاص طور پر **شرح فقہ اکبر — امام ملا علی قاری** یہ شرح فقہ اکبر کو مزید واضح اور مدلل بنا دیتی ہے، اور آج بھی درسِ نظامی کا حصہ ہے۔

فقہِ اکبر کو اہلِ سنت و جماعت کے عقائد کا نقشۂ اساس کہا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب عوام و خواص سب کے لیے ایمان کی درست بنیاد فراہم کرتی ہے۔ طالب علم کے لیے علمِ کلام کی تمہید بنتی ہے۔ علماء کے لیے ردِ باطل میں ایک مضبوط حوالہ ہے

المختصر:

فقہِ اکبر حجم میں مختصر، مگر معنی میں عمیق کتاب ہے۔ یہ امامِ اعظم کی بصیرتِ ایمانی اور فکری اعتدال کی زندہ مثال ہے۔ جو شخص اہلِ سنت کے صحیح عقائد کو اختصار کے ساتھ سمجھنا چاہے، اس کے لیے فقہِ اکبر ایک نہایت قیمتی اور لازمی مطالعہ ہے۔

شرحِ فقہِ اکبر (ملا علی قاری):

ردِ الحاد میں لاجواب کتاب:

دورِ حاضر فکری انتشار، الحادی شبہات اور مذہب بیزار ذہنوں کا دور ہے۔ ایمان کے بنیادی عقائد جن پر صدیوں تک امت کا اجماع رہا، آج

سوشل میڈیا، جدید فلسفے اور سائنسی مغالطوں کے ذریعے مشکوک بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ایسے نازک وقت میں اگر کوئی کتاب اہلِ سنت کے عقائد کو مضبوط بنیادوں پر پیش کرتی ہے، شبہات کا علمی جواب دیتی ہے اور عقل و نقل کے حسین امتزاج سے ایمان کو جِلا بخشتی ہے تو وہ شرحِ فقہِ اکبر ہے، جسے عظیم محدث و فقیہ علامہ ملا علی قاری نے رقم فرمایا۔

یہ کتاب محض ایک شرح نہیں بلکہ ایک مکمل عقائدی دستاویز ہے، جو امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر مگر جامع تصنیف فقہِ اکبر کی توضیح کرتے ہوئے اسلامی عقائد کو مضبوط علمی سانچے میں ڈھال دیتی ہے۔

فقہِ اکبر اور اس کی شرح کا علمی پس منظر:

فقہِ اکبر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وہ شہرہ آفاق کتاب ہے جس میں توحید، صفاتِ باری تعالیٰ، ایمان، نبوت، قضا و قدر، آخرت اور دیگر بنیادی عقائد نہایت اختصار مگر جامعیت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ علامہ ملا علی قاری نے اس مختصر متن پر ایسی شرح لکھی جس نے اسے علمِ کلام کی معتبر ترین کتب میں شامل کر دیا۔ شرح میں صرف اقوال نقل نہیں کیے گئے بلکہ

- قرآن و حدیث سے دلائل
- ائمۂ اہلِ سنت کے اقوال
- عقلی و منطقی توضیحات
- باطل فرقوں (معتزلہ، جہمیہ، قدریہ وغیرہ) کی تردید۔۔۔سب کچھ نہایت متوازن اور محققانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

علامہ ملا علی قاری کا اسلوب نہ جذباتی ہے نہ جارحانہ، بلکہ دلائل سے قائل کرنے والا ہے۔ وہ مخالف نظریات کا ذکر کرتے ہیں، ان کی اصل بنیاد واضح کرتے ہیں، پھر نہایت سکون اور علمی وزن کے ساتھ ان کا ابطال کرتے ہیں۔ یہی اس کتاب کو آج کے پڑھے لکھے طبقے کے لیے خاص طور پر مفید بناتا ہے۔

ردِ الحاد کے تناظر میں کتاب کی اہمیت:

الحاد بنیادی طور پر تین ستونوں پر کھڑا ہوتا ہے: ۱۔ خدا کے وجود سے انکار
۲۔ صفاتِ الٰہیہ پر اعتراض
۳۔ وحی، نبوت اور آخرت کا انکار

شرحِ فقہِ اکبر ان تینوں محاذوں پر مضبوط دفاع فراہم کرتی ہے:

۱۔ وجودِ باری تعالیٰ:

علت و معلول، نظمِ کائنات اور فطرت کے دلائل کے ذریعے خدا کے وجود کو واضح کرتی ہے۔

۲۔ صفاتِ الٰہیہ:

تشبیہ و تعطیل کے افراط و تفریط سے بچاتے ہوئے معتدل سنی موقف پیش کرتی ہے، جو جدید الحادی تنقید کا بہترین جواب ہے۔

۳۔ ایمان اور عقل کا تعلق:

یہ کتاب ثابت کرتی ہے کہ اسلام عقل کا دشمن نہیں بلکہ عقل کی صحیح رہنمائی کرتا ہے، جبکہ الحاد عقل کو بھی شک میں مبتلا کر دیتا ہے۔

۴۔ قضا و قدر:

جدید دور میں فری ول (Free Will) اور تقدیر پر ہونے والے اعتراضات کا نہایت مضبوط اور متوازن حل پیش کرتی ہے۔

نوجوانوں اور علماء کے لیے ناگزیر مطالعہ:

آج کے نوجوان سوال کرتے ہیں، اور سوال کرنا جرم نہیں۔ جرم یہ ہے کہ ان سوالات کے جواب اہلِ علم سے نہ لیے جائیں۔ شرحِ فقہِ اکبر وہ کتاب ہے جو نوجوانوں کے شکوک دور کرتی ہے۔ خطباء و واعظین کو فکری مواد فراہم کرتی ہے۔ علماء کو مناظرانہ تیاری کے بجائے تحقیقی اعتماد عطا کرتی ہے۔

المختصر:

اگر آج کے دور میں کوئی یہ پوچھے کہ ردِ الحاد کے لیے کون سی کلاسیکی کتاب سب سے زیادہ مفید ہے؟ تو بلا تردد کہا جا سکتا ہے کہ شرحِ فقہِ اکبر (ملا علی قاری) اس فہرست میں سرفہرست ہے۔ یہ کتاب ایمان کی بنیادیں مضبوط کرتی ہے، عقل کو مطمئن کرتی ہے اور دل کو یقین عطا کرتی ہے۔

یہ محض ماضی کی کتاب نہیں، بلکہ آج کے فکری معرکے کی ایک زندہ دستاویز ہے۔

ایسے دور میں جب شکوک ایمان کو کھا رہے ہوں، شرحِ فقہِ اکبر یقین کی وہ شمع ہے جو آندھیوں میں بھی روشن رہتی ہے۔

ملحدین سے مناظرہ اور نوجوان علماء:

یہ حقیقت اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ الحاد کا فتنہ محض سوشل میڈیا کی بحثوں تک محدود نہیں رہا، بلکہ یہ ہمارے تعلیمی اداروں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور یہاں تک کہ مساجد کے نوجوان حلقوں تک در آیا ہے۔ سوال یہ نہیں کہ ملحدین کیوں بول رہے ہیں، اصل سوال یہ ہے کہ اہلِ علم

کیوں خاموش ہیں؟ اور اس سے بھی بڑا سوال یہ ہے کہ نوجوان علماء اس چیلنج کے لیے خود کو کب تیار کریں گے؟

آج کا ملحد جذباتی نعروں سے نہیں، فلسفہ، سائنس، تاریخ اور نفسیات کی زبان میں بات کرتا ہے۔ وہ شبہات کے پیکٹ تیار کر کے نوجوان ذہنوں پر پھینکتا ہے، اور افسوس کہ کئی جگہوں پر ان شبہات کا علمی، منظم اور مدلل جواب دینے والا کوئی موجود نہیں۔ ایسے میں یہ کہنا کافی نہیں کہ "یہ سب باطل ہے"، بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ باطل کو اسی کی زبان میں، اسی کے اسلوب میں، مگر حق کی روشنی کے ساتھ رد کیا جائے۔

نوجوان علماء! یہ میدان آپ کو بلا رہا ہے۔ آپ کی جوانی، ذہنی چستی اور فکری تازگی اس فتنہ کے مقابلے میں سب سے بڑی قوت ہے۔ مگر یہ قوت تیاری کے بغیر بے کار ہے۔ مناظرہ محض بلند آواز یا طنزیہ جملوں کا نام نہیں، بلکہ یہ علمِ کلام، اصولِ عقائد، فلسفۂ اسلام، جدید سائنسی نظریات، مغربی فکر کی تاریخ اور منہجِ نبوی ﷺ کی گہری سمجھ کا تقاضا کرتا ہے۔ جس نے خود مطالعہ نہیں کیا، وہ دوسروں کے شکوک کیسے دور کرے گا؟

یہ بھی یاد رہے کہ مناظرہ کا مقصد مخالف کو نیچا دکھانا نہیں، بلکہ حق کو واضح کرنا اور گمراہ ذہن کو سہارا دینا ہے۔ سخت لہجہ وقتی داد تو دلا سکتا ہے، مگر دل نہیں جیت سکتا۔ اس لیے نوجوان علماء کو چاہیے کہ وہ علم کے ساتھ حلم، دلیل کے ساتھ اخلاق، اور جرات کے ساتھ حکمت کو جمع کریں۔ یہی وہ اسلوب ہے جس سے بڑے بڑے فتنوں کا خاتمہ ہوا ہے۔

مدارس، خانقاہیں، دینی تنظیمیں اور علمی ادارے بھی اپنی ذمہ داری پہچانیں۔ نوجوان علماء کے لیے الحاد، سیکولرازم اور جدید فکری تحریکات پر خصوصی کورسز، مطالعاتی نشستیں اور مناظرہ کی عملی تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ اگر ہم نے آج یہ سرمایہ کاری نہ کی تو کل ہم صرف شکوہ ہی کر سکیں گے کہ ہماری نسل ہم سے کیوں دور ہو گئی۔

آخر میں نوجوان علماء سے ایک پُراثر اپیل ہے:

اگر آپ نے اس میدان کو خالی چھوڑ دیا تو اسے باطل بھر دے گا۔ اٹھئے! قلم بھی اٹھائیے، کتاب بھی، اور اگر ضرورت پڑے تو مناظرہ کے میدان میں بھی اتریے۔ امت کو آپ کی ضرورت ہے، دین کو آپ کی تیاری درکار ہے، اور وقت آپ سے سوال کر رہا ہے کہ آپ نے کیا جواب تیار کیا

ہے؟

ملحدین کے چند اعتراضات کے جوابات:

اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ معاذ اللہ

(ملحدین کا سب سے بڑا اعتراض)

یہ سوال بظاہر سادہ ہے مگر در حقیقت فلسفیانہ مغالطے پر قائم ہے۔ ملحد عموماً پوچھتے ہیں:

"اللہ کو کس نے پیدا کیا؟"

اس کا مدلل، عقلی و نقلی جواب درج ذیل ہے:

ا۔ سوال ہی غلط مفروضے پر قائم ہے:

یہ سوال یہ مان کر پوچھا جاتا ہے کہ ہر چیز پیدا کی گئی ہے، حالانکہ عقل یہ نہیں کہتی کہ ہر چیز مخلوق ہو، بلکہ عقل یہ کہتی ہے کہ:

ہر "پیدا ہونے والی چیز" کا کوئی پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔

یہاں فرق سمجھنا ضروری ہے:

مخلوق یعنی پیدا کی گئی

خالق یعنی پیدا کرنے والا

اللہ تعالیٰ مخلوق نہیں، خالق ہے۔۔۔۔۔

لہٰذا "اللہ کو کس نے پیدا کیا؟" ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے: "کنوارے لڑکے کے کتنے بچے ہیں؟"

سوال ہی اپنی بنیاد میں باطل ہے۔

۲۔ تسلسلِ علل (Infinite Regress) کا عقلی بطلان:

اگر مان لیا جائے کہ:

اللہ کو کسی نے پیدا کیا۔۔ پھر اُس پیدا کرنے والے کو کسی نے پیدا کیا۔۔ پھر اُس کو کسی نے پیدا کیا... تو یہ لا انتہا تسلسل ہوگا، اور عقل کہتی ہے۔۔ لا انتہا سلسلہ کبھی وجود میں نہیں آسکتا۔

مثال: اگر آپ سے کہا جائے:

"دروازہ تب کھلے گا جب اس سے پہلے والا دروازہ کھلے" اور ایسے دروازے لا محدود ہوں

تو نتیجہ؟ کبھی کوئی دروازہ نہیں کھلے گا

جبکہ:

کائنات موجود ہے

حادث ہے

متغیّر ہے

لہٰذا ضروری ہے کہ ایک ایسی ہستی ہو جو خود غیر مخلوق ہو۔۔

جسے فلسفے میں کہتے ہیں:

Necessary Being (واجب الوجود)

۳۔ اگر خدا بھی مخلوق ہو تو خدا ہی نہیں:

خدا کی تعریف ہی یہ ہے:

- ازلی (ہمیشہ سے ہے)
- ابدی (ہمیشہ رہے گا)
- غیر محتاج
- خود قائم
- سب کا خالق

اگر وہ بھی:

- پیدا کیا گیا
- محتاج ہوا

تو وہ خدا نہ رہا، بلکہ ایک مخلوق بن گیا۔ جو خود محتاج ہو، وہ دوسروں کا خالق نہیں ہو سکتا۔

۴۔ قرآن کا واضح جواب:

قرآن مجید نے اس اعتراض کو جڑ سے کاٹ دیا: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾

(سورۃ الاخلاص)

ترجمہ: اللہ ایک ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا نہ وہ کسی کو پیدا کرنے کے لیے محتاج ہے۔

۵۔ نبی ﷺ نے بھی اس اعتراض کا جواب دیا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لوگ پوچھتے رہیں گے یہاں تک کہ کہیں گے: اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ جب یہاں تک پہنچ جائیں تو کہو: آمَنْتُ بِاللّٰہِ اور رک جاؤ" (صحیح مسلم)

کیونکہ یہ سوال شیطانی وسوسہ ہے، علمی اشکال نہیں۔

۶۔ ملحدوں کے سوال کا الٹا سوال:

ملحد سے پوچھیں:

- اگر خدا کو بھی خالق چاہیے،
- تو تمہارے مادّے کو کس نے پیدا کیا؟
- مادہ خود شعور نہیں رکھتا
- قانون خود قانون ساز نہیں ہو سکتا
- نظم خود بخود نہیں بنتا

تو آخر:

- یہ کائناتی نظم کہاں سے آیا؟

خلاصہ (One-line Answer)

- اللہ کو کسی نے پیدا نہیں کیا،
- کیونکہ اگر وہ پیدا کیا گیا ہوتا

تو خدا نہ ہوتا۔

وجود باری تعالیٰ کو تسلیم کرنے کے لئے اسے ایک ماننے کے لئے اب ہمیں نہ کسی دلیل نہ کسی مناظر کی ضرورت ہے ہمارے لئے امام رازی کا وہی فیصلہ کافی ہے جس کے ذریعہ انہوں نے

شیطان کو لاجواب کیا تھا کہ ہم خدا کو بغیر کسی دلیل کے مانتے ہیں اور ایک مانتے ہیں۔

اکبر الہ آبادی نے کہا تھا:

خدا کے باب میں یہ غور کیا ہے
خدا کیا ہے، خدا ہے اور کیا ہے

خدا نظر کیوں نہیں آتا؟

(ملحدانہ اعتراض کا عقلی و نقلی محاکمہ)

یہ سوال کہ "اگر خدا ہے تو نظر کیوں نہیں آتا؟" آج کے ملحدانہ بیانیے کا سب سے زیادہ دہرایا جانے والا جملہ ہے۔ بظاہر یہ سوال عقل کی دہلیز پر دستک دیتا محسوس ہوتا ہے، مگر در حقیقت یہ عقل سے زیادہ حسّیات کی آمریت کا اعلان ہے۔ گویا انسان نے طے کر لیا ہو کہ جو آنکھوں سے نہ دکھے وہ وجود ہی نہیں رکھتا۔ یہی وہ فکری لغزش ہے جہاں سے الحاد کا سفر شروع ہوتا ہے اور یہیں پر اس کی علمی بنیاد بھی لرزنے لگتی ہے۔

دنیا کا کوئی بھی سنجیدہ علم یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ وجود کی شرط صرف "نظر آنا" ہے۔ انسانی زندگی کا بڑا حصہ ان ہی حقیقتوں پر قائم ہے جو آنکھ سے اوجھل مگر اثرات میں بالکل واضح ہیں۔ عقل کو لیجیے، جو انسان کو انسان بناتی ہے، مگر آج تک کسی نے عقل کو شیشی میں بند کر کے نہیں دکھایا۔ محبت، خوف، وفاداری اور احساسِ ذمہ داری یہ سب وہ حقیقتیں ہیں جن کے بغیر معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا، مگر یہ سب نظر نہیں آتیں۔ سائنس خود اعتراف کرتی ہے کہ کائنات کی بنیادی قوتیں، جیسے کششِ ثقل اور برقی رو، دیکھی نہیں جاتیں بلکہ صرف مانی جاتی ہیں۔ اگر نظر آنا ہی وجود کی آخری کسوٹی ہوتا تو سب سے پہلے سائنس اور فلسفہ کو اپنے وجود سے دستبردار ہونا پڑتا۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ ملحد خدا کو بھی ایک مادی شے سمجھ کر پرکھنا چاہتا ہے، حالانکہ خدا مادّے کا خالق ہے، مادّے کا محتاج نہیں۔ انسانی آنکھ خود محدود ہے محدود زاویہ دیکھتی ہے، محدود روشنی پہچانتی ہے، اور محدود وقت تک کام کرتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو ذات زمان و مکان کی خالق ہو، وہ مخلوق کی محدود آنکھ میں کیسے سمائے؟ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی سمندر کو پیالے میں بند کرنے کا مطالبہ کرے اور پھر کہے کہ چونکہ پیالے میں سمندر نظر نہیں آ رہا، اس لیے سمندر ہے ہی نہیں۔۔۔۔ قرآن مجید اس حقیقت کو نہایت دو ٹوک انداز میں بیان کرتا ہے:

"نگاہیں اسے پا نہیں سکتیں، اور وہ سب نگاہوں کو پالیتا ہے۔"

یہ آیت خدا کے نہ نظر آنے کو کمزوری نہیں بلکہ اس کی عظمت کی دلیل قرار دیتی ہے۔ اگر خدا بھی مخلوق کی طرح آنکھوں میں سما جائے تو پھر خالق اور مخلوق میں فرق ہی کیا باقی رہ جائے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بھی اس حقیقت پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے۔ جب انہوں نے دیدارِ الٰہی کی خواہش ظاہر کی تو جواب ملا: "تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔" پھر پہاڑ پر تجلی ہوئی، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور کلیمِ خدا بے ہوش ہو گئے۔ یہ منظر انسان کو بتا دیتا ہے کہ اس دنیا میں انسانی وجود، دیدارِ الٰہی کی طاقت ہی نہیں رکھتا۔ یہ انکار نہیں، حکمت ہے؛ یہ نفی نہیں، نظام ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا دارالامتحان ہے، دارالمشاہدہ نہیں۔ اگر خدا آنکھوں سے دکھائی دینے لگے تو ایمان کی کوئی معنویت باقی نہ رہے۔ پھر ایمان اور انکار کا سوال ہی ختم ہو جائے۔ فرعون، نمرود اور ابوجہل سب ماننے پر مجبور ہو جائیں، اور مجبورانہ مان لینا ایمان نہیں کہلاتا۔ قرآن ایمان کی تعریف ہی "غیب پر یقین" سے کرتا ہے۔ یہی وہ کسوٹی ہے جو انسان کے باطن کو پرکھتی ہے، نہ کہ اس کی آنکھوں کو۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ملحد کا یہ اعتراض خود اس کے اپنے موقف کو کمزور کر دیتا ہے۔ وہ جن "قوانینِ فطرت" کو مانتا ہے، جن "اخلاقی اصولوں" کی بات کرتا ہے، اور جس "شعور" پر فخر کرتا ہے یہ سب نظر نہیں آتے۔ اگر خدا کے لیے نظر آنے کی شرط لگائی جائے تو پھر انصاف کا تقاضا ہے کہ ان سب کا بھی انکار کیا جائے۔ مگر ایسا نہیں کیا جاتا، کیونکہ یہاں مسئلہ دلیل کا نہیں، ضد کا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ اصل سوال یہ نہیں کہ "خدا نظر کیوں نہیں آتا؟" بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ "یہ سب کچھ آخر آیا کہاں سے؟" یہ منظم کائنات، یہ حیران کن توازن، یہ اخلاقی حس، یہ عقل و شعور کیا یہ سب محض اندھے اتفاق کا نتیجہ ہو سکتے ہیں؟ الحاد اس سوال پر خاموش ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کے پاس انکار تو ہے، مگر متبادل جواب نہیں۔

آخر میں یہی کہنا پڑتا ہے کہ خدا کو نہ دیکھ پانا، خدا کے نہ ہونے کی دلیل نہیں، بلکہ انسان کے محدود ہونے کی دلیل ہے۔ خدا آنکھ سے نہیں، عقلِ سلیم، فطرتِ مستقیم اور دلِ بیدار سے پہچانا جاتا ہے۔ اور جو شخص آنکھ کے دائرے سے باہر سوچنے پر آمادہ نہیں، وہ حقیقت کے دروازے تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔

اگر اللہ ہے تو مسلمانوں پر ظلم کیوں؟

(ملحدین کے اعتراض کا سنجیدہ جواب)

بہت سے لوگ، خاص طور پر ملحدین (atheists)، یہ سوال اٹھاتے ہیں:

اگر اللہ ہے تو ظلم، تکلیف، جنگیں، غربت، بیماری، استحصال وغیرہ کیوں؟

کیا اللہ موجود ہے تو وہ مظلوموں کا انصاف کیوں نہیں کرتا؟

یہ سوال جذباتی بھی ہے اور فلسفیانہ بھی۔ اس کا جواب صرف جذباتی نہیں بلکہ عقلی، نصوصی، اخلاقی اور تاریخی دلائل کے ساتھ دینا ضروری ہے۔

یہ سوال آج سوشل میڈیا کے شور میں نہیں، بلکہ اخبارات کے فکری صفحات، یونیورسٹیوں کے مباحث اور نوجوان اذہان کی گہرائیوں میں گونج رہا ہے۔ کبھی فلسطین کے ملبے تلے دبی لاشیں یہ سوال بن کر ابھرتی ہیں، کبھی کشمیر کی وادیوں سے اٹھتی آہیں، کبھی برما، شام اور سوڈان کی خبریں اس اعتراض کو زبان دیتی ہیں کہ اگر واقعی اللہ ہے، قادرِ مطلق اور رحمٰن ہے، تو پھر یہ ظلم کیوں روا رکھا گیا ہے؟ اور خاص طور پر مسلمانوں ہی پر کیوں؟

یہ سوال آج کسی فلسفی کی کتاب سے نہیں نکلتا، بلکہ موبائل اسکرین پر اسکرول کرتے ہوئے اچانک دل میں اترتا ہے۔ بمباری کی ایک ویڈیو، کسی بچے کی لاش، کسی ماں کی چیخ اور پھر ذہن میں ایک جملہ ابھرتا ہے: اگر اللہ ہے تو یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟

یہ سوال گناہ نہیں، مگر اس سوال کے نام پر ایمان کو دفن کر دینا فکری خودکشی ضرور ہے۔

آج کا نوجوان جذباتی نہیں، سوال کرنے والا ہے۔ وہ آنکھیں بند کر کے ماننے کے بجائے دلیل مانگتا ہے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ اکثر سوشل میڈیا کے "دانشور" سوال تو دیتے ہیں، جواب چھپا لیتے ہیں۔ اور وہ جواب چھپاتے ہیں جو عقل، انصاف اور ایمان تینوں کو ایک ساتھ مطمئن کرتا ہے۔

یہ اعتراض بظاہر ہمدردی کے لبادے میں لپٹا ہوتا ہے، مگر در حقیقت یہ ایمان، عقل اور کائنات کے پورے نظام کو کٹہرے میں کھڑا کرنے کی ایک کوشش ہے۔ سوال یہ نہیں کہ ظلم کیوں ہے، اصل سوال یہ ہے کہ ظلم کو سمجھا کس زاویے سے جا رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا کو اگر دار الجزاء سمجھ لیا جائے تو اعتراض بجا بنتا ہے، مگر اسلام نے کبھی دنیا کو انصاف کا آخری ایوان قرار نہیں دیا۔ یہ دنیا

دارالامتحان ہے، اور امتحان وہیں ہوتا ہے جہاں مشکل ہو، جہاں اختیار ہو، جہاں صحیح اور غلط دونوں راستے کھلے ہوں۔ اگر یہاں ہر ظالم کا ہاتھ فوراً پکڑ لیا جاتا اور ہر مظلوم کو فوراً انصاف مل جاتا، تو امتحان، صبر، اختیار اور اخلاقی ذمہ داری کا پورا تصور ہی ختم ہو جاتا۔

ملحدین ایک بنیادی نکتے کو دانستہ یا نادانستہ نظر انداز کر دیتے ہیں، اور وہ ہے انسان کا آزاد ارادہ۔ اللہ نے انسان کو روبوٹ بنا کر نہیں بھیجا کہ وہ ظلم بھی مشین کے حکم سے کرے اور عدل بھی۔ انسان کو اختیار دیا گیا کہ وہ چاہے تو فرعون بن جائے، چاہے تو موسیٰ۔ جب انسان فرعون بنتا ہے تو اس کے مظالم کا الزام خدا پر رکھ دینا فکری بددیانتی کے سوا کچھ نہیں۔

یہ کہنا کہ اگر اللہ ہے تو ظلم کیوں ہے، ایسا ہی ہے جیسے یہ کہا جائے کہ اگر قانون ہے تو جرم کیوں ہوتا ہے؟ قانون کا ہونا جرم کے ختم ہونے کی ضمانت نہیں، بلکہ جرم پر گرفت کی بنیاد ہے۔ اسی طرح اللہ کا ہونا ظلم کی موجودگی کی نفی نہیں، بلکہ ظلم کے محاسبے کی ضمانت ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ محاسبہ فوری نہیں بلکہ مکمل اور ابدی ہے۔

پھر یہ سوال کہ مسلمانوں پر ہی ظلم کیوں؟ تاریخ کا سنجیدہ مطالعہ بتاتا ہے کہ ظلم کبھی کسی ایک قوم یا مذہب تک محدود نہیں رہا۔ یہودیوں نے ہٹلر کا ظلم دیکھا، افریقہ نے غلامی کی صدیوں پر محیط داستان جھیلی، یورپ نے دو عالمی جنگوں میں کروڑوں لاشیں اٹھائیں۔ مگر جب مسلمان مظلوم ہوتا ہے تو سوال خدا کے وجود پر اٹھایا جاتا ہے، اور جب مسلمان ظالم ہو تو اسے انسان کی غلطی قرار دے دیا جاتا ہے۔ یہ دوہرا معیار نہیں تو اور کیا ہے؟

اسلام یہ نہیں کہتا کہ مظلوم ہونا کامیابی ہے، بلکہ یہ کہتا ہے کہ ظلم پر صبر کرنا، ظلم کے خلاف کھڑا ہونا اور عدل کا مطالبہ کرنا ایمان کا حصہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی گواہ ہے کہ اللہ کے سب سے محبوب بندے نے بھی مکہ میں ظلم سہے، طائف کی گلیوں میں لہو بہایا، شعبِ ابی طالب میں فاقے جھیلے۔ اگر ظلم اللہ کی عدم موجودگی کی دلیل ہوتا تو سب سے پہلے نعوذباللہ نبیِ رحمت ﷺ کے بارے میں یہ سوال اٹھتا۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے اللہ کو صرف دنیاوی سہولتوں کا ضامن سمجھ لیا ہے، حالانکہ اسلام اللہ کو آخرت کے کامل انصاف کا ضامن قرار دیتا ہے۔ یہاں اگر کسی مظلوم کی آہ زمین پر

دب بھی جائے، تو وہ آسمان پر محفوظ ہو جاتی ہے۔ اور جس دن میزان لگے گی، وہ دن کسی بھی عدالتِ دنیا سے زیادہ سخت اور عادل ہو گا۔

یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ مسلمانوں پر ہونے والے بہت سے مظالم میں خود مسلمانوں کی غفلت، کمزوری، آپسی نااتفاقی اور اخلاقی زوال کا بھی بڑا دخل ہے۔ قرآن نے صاف کہا ہے کہ اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔ مگر ہم احتساب کے بجائے اعتراض کو آسان راستہ سمجھ لیتے ہیں۔

لہٰذا سوال یہ نہیں کہ اگر اللہ ہے تو ظلم کیوں ہے، بلکہ سوال یہ ہے کہ اگر ظلم ہے تو ہم کہاں کھڑے ہیں؟ مظلوم کے ساتھ یا ظالم کے ساتھ؟ عدل کے ساتھ یا مصلحت کے ساتھ؟ ایمان صرف نعروں سے نہیں، کردار سے پہچانا جاتا ہے۔

آخر میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ کی خاموشی اس کی بے بسی نہیں، بلکہ اس کی مہلت ہے۔ اور مہلت ہمیشہ عذاب سے پہلے آتی ہے۔ ظلم کا بازار گرم ہو سکتا ہے، مگر ہمیشہ کے لیے نہیں۔ تاریخ بھی یہ گواہی دیتی ہے اور وحی بھی۔

☆☆☆☆

"آخرت کچھ نہیں، جو کچھ ہے بس دنیا" (ملحدین کے مغالطے کا ازالہ)

یہ جملہ آج کے دور میں صرف ایک فکری مغالطہ نہیں بلکہ ایک مکمل ذہنی یلغار ہے: "آخرت کچھ نہیں، جو کچھ ہے بس یہی دنیا ہے"۔ بظاہر یہ بات سادہ اور پرکشش لگتی ہے، مگر حقیقت میں یہ انسان کو مقصدِ حیات سے محروم کرنے والا، اخلاق کو کھوکھلا کرنے والا اور انسانیت کو حیوانیت کے درجے پر گرا دینے والا نظریہ ہے۔

ملحدین کا یہ اعتراض دراصل اس سوچ کی پیداوار ہے جو صرف آنکھ سے دکھنے والی چیز کو حقیقت مانتی ہے اور عقل، وجدان اور فطرت کی آواز کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ حالانکہ انسان کی پوری زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ ہر دکھنے والی چیز حقیقت نہیں ہوتی اور ہر حقیقت دکھنے والی نہیں ہوتی۔

دنیا کو ہی سب کچھ مان لینے کا پہلا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ زندگی بے مقصد ہو جاتی ہے۔ اگر نہ کوئی حساب ہے، نہ کوئی جزا و سزا، نہ کوئی ابدی انجام تو پھر سچ اور جھوٹ، انصاف اور ظلم، قربانی اور خودغرضی میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے؟ پھر

قاتل اور مقتول، ظالم اور مظلوم، امانت دار اور خائن سب برابر ٹھہرتے ہیں۔ کیا انسانی عقل اس بے انصافی کو قبول کر سکتی ہے؟

انسان کی فطرت خود آخرت کی گواہی دیتی ہے۔ دنیا میں کون ہے جو مکمل انصاف دیکھ لیتا ہے؟ کتنے نیک لوگ ظلم سہ کر دنیا سے چلے جاتے ہیں اور کتنے ظالم عیش و عشرت میں مرجاتے ہیں۔ اگر یہی دنیا سب کچھ ہوتی تو یہ ناانصافی ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جاتی، جبکہ انسان کا ضمیر چیخ چیخ کر کہتا ہے کہ یہ انجام نہیں ہو سکتا۔ یہی ضمیر دراصل آخرت کی عدالت کا اعلان ہے۔

پھر یہ سوال بھی اہم ہے کہ اگر زندگی صرف دنیا تک محدود ہے تو انسان کے اندر ہمیشہ رہنے کی خواہش کیوں رکھی گئی؟ انسان کیوں چاہتا ہے کہ اس کا نام زندہ رہے، اس کے کام یاد رکھے جائیں، وہ فنا نہ ہو؟ یہ خواہش کسی حیوان میں کیوں نہیں؟ اس لیے کہ انسان کو محض چند دہائیوں کے لیے نہیں بلکہ ابدیت کے تصور کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔

ملحدین اکثر کہتے ہیں: "آخرت دیکھی نہیں، اس لیے مانتے نہیں"۔ مگر کیا محبت دیکھی جاتی ہے؟ کیا عقل کو آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے؟ کیا خواب حقیقت نہیں ہوتے؟ اگر صرف دیکھنا ہی معیارِ حقیقت ہو تو انسانی زندگی کا بڑا حصہ وہم قرار پائے۔ حقیقت یہ ہے کہ آخرت کو نہ ماننا علمی نہیں بلکہ تعصب ہے۔

قرآن آخرت کو کوئی خیالی کہانی نہیں بلکہ عقلی تقاضا قرار دیتا ہے:

"کیا ہم نیکوکاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا، کیسا فیصلہ کرتے ہو!"

یہ سوال صرف ایمان والوں کے لیے نہیں بلکہ ہر صاحبِ عقل کے لیے ہے۔

دنیا پرست نظریہ انسان کو وقتی فائدے کا غلام بنا دیتا ہے۔ اسی سوچ کے بطن سے کرپشن، استحصال، مادہ پرستی، بے حیائی اور خودکشی جیسی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ کیونکہ جب آخرت نہ ہو تو انسان کے پاس رکنے کی کوئی اخلاقی دیوار باقی نہیں رہتی۔

اسلام دنیا کی نفی نہیں کرتا، بلکہ دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیتا ہے۔ دنیا عمل کی جگہ ہے اور آخرت نتیجے کی۔ جو یہاں بویا جائے گا، وہی وہاں کاٹا جائے گا۔ یہی تصور انسان کو ذمہ دار، بااخلاق اور باکردار بناتا ہے۔

آخر میں سوال یہ نہیں کہ آخرت ہے یا نہیں

اصل سوال یہ ہے کہ کیا بغیر آخرت کے انسان واقعی انسان رہ سکتا ہے؟

تاریخ، عقل، فطرت اور اخلاق سب ایک ہی جواب دیتے ہیں: نہیں۔

آخرت کا انکار روشنی نہیں، اندھیرا ہے۔ اور اندھیرا جتنا بھی سائنسی لباس پہن لے، اندھیرا ہی رہتا ہے۔

کائنات بنانے سے پہلے اللہ کیا کر رہا تھا؟ (ملحدین کے مغالطے کا محققانہ ومدلل جواب)

یہ سوال بظاہر سادہ ہے، مگر درحقیقت یہ وہ فکری جال ہے جس میں ملحدین عقیدۂ توحید کو انسانی پیمانوں میں قید کر کے غیر معقول ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ”کائنات بنانے سے پہلے اللہ کیا کر رہا تھا؟“ یہ سوال اپنے اندر ایک خاموش مفروضہ رکھتا ہے، اور وہ یہ کہ اللہ بھی زمان و مکان کے دائرے میں قید ہے، حالانکہ یہی مفروضہ ابتدا ہی سے باطل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ "پہلے" اور "بعد" کا محتاج نہیں۔ وقت (Time) خود کائنات کی تخلیق ہے۔ جب کائنات نہیں تھی تو وقت بھی نہیں تھا۔ لہٰذا "کائنات بنانے سے پہلے" کہنا منطقی طور پر ایسا ہی ہے جیسے پوچھا جائے: شمالی قطب کے شمال میں کیا ہے؟ سوال سننے میں درست مگر حقیقت میں بے معنی۔

قرآن کریم اعلان کرتا ہے:

"هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ"

وہی اول ہے اور وہی آخر۔ (الحدید:۳)

یعنی اللہ ایسا وجود نہیں کہ اس پر "پہلے" کا اطلاق ہو، بلکہ وہ زمانے کا خالق ہے، زمانے کے اندر رہنے والا نہیں۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس حقیقت کو مزید واضح فرمایا:

"كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ غَيْرُهُ"

اللہ تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ (صحیح بخاری)

یہاں "تھا" کا لفظ بھی انسانی فہم کے لیے ہے، ورنہ اللہ کی ذات پر ماضی، حال اور مستقبل کا اطلاق ویسے نہیں جیسے مخلوق پر ہوتا ہے۔

ملحدین کا یہ سوال دراصل تشبیہ کا مغالطہ ہے یعنی خالق کو مخلوق کے پیمانے پر پرکھنا۔ انسان کچھ بناتا ہے تو وہ وقت کا پابند ہوتا ہے، تھکتا ہے، انتظار کرتا ہے، منصوبہ بدلتا ہے۔ ملحد انہی انسانی کیفیتوں کو اللہ پر چپکانا چاہتا ہے، حالانکہ اللہ کے لیے قرآن صاف کہتا ہے:

"لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ"

اس جیسا کوئی نہیں۔ (الشوریٰ:۱۱)

اگر یہ سوال درست مان لیا جائے تو پھر مزید

بے معنی سوالات کا دروازہ کھل جاتا ہے: اللہ نے کائنات اسی وقت کیوں بنائی؟ اس سے پہلے کیوں نہیں؟ کیا وہ فارغ بیٹھا تھا؟ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ یہ سب سوالات اسی غلط تصور کا نتیجہ ہیں کہ اللہ وقت کے اندر کسی لمحے میں فیصلہ کرتا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی مشیت ازلی ہے، حادث نہیں۔

عقلی طور پر بھی سمجھ لیجیے: گھڑی بنانے والا گھڑی کے وقت کا پابند نہیں ہوتا۔ ناول لکھنے والا کہانی کے وقت میں قید نہیں ہوتا۔ اسی طرح کائنات کا خالق کائنات کے وقت سے ماورا ہے۔ وقت، جگہ، مادہ یہ سب اسی کے بنائے ہوئے نظام ہیں۔

لہٰذا درست سوال یہ نہیں کہ کائنات سے پہلے اللہ کیا کر رہا تھا؟ بلکہ درست سوال یہ ہے کہ کائنات کو وجود کس نے دیا؟ وقت کو کس نے پیدا کیا؟ اور عدم سے ہستی کا فیصلہ کس نے کیا؟

یہاں ملحد خاموش ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کے پاس یا تو اتفاق کا افسانہ ہوتا ہے یا قانونِ فطرت کا سہارا اور دونوں خود کسی خالق کے محتاج ہیں۔

یہ سوال دراصل اللہ پر نہیں، ملحد کی عقل پر سوال ہے کہ وہ خالق کو مخلوق کے ترازو میں کیوں تولنا چاہتا ہے؟ جب تک یہ فکری مغالطہ دور نہیں ہوگا، ایسے سوالات پیدا ہوتے رہیں گے، مگر حقیقت اپنی جگہ اٹل رہے گی: اللہ تھا، اللہ ہے، اور اللہ رہے گا وقت اس کا محتاج ہے، وہ وقت کا نہیں۔

کائنات بنانے سے پہلے خدا کیا کر رہا تھا؟

منطقی جواب:

معترض کا اعتراض تین بنیادی مغالطوں پر مبنی ہے۔

پہلا مغالطہ:

معترض یہ سمجھتا ہے۔ کہ اللہ جو کچھ کرتا ہے، وہ سب ہمیں معلوم ہونا چاہیے۔ حالانکہ مسلمانوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہم اللہ کے ہر فعل کا احاطہ کر سکتے ہیں۔ معترض یہ پوچھتا ہے کہ کائنات سے پہلے اللہ کیا کر رہا تھا؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس وقت اللہ کیا کر رہا ہے، کیونکہ اللہ کی ذات اور اس کے افعال انسانی عقل کی حد سے ماورا ہیں۔

دوسرا مغالطہ:

اسی طرح معترض نے یہ فرض کر لیا ہے کہ

اللہ کو بھی انسان کی طرح کسی کام میں مشغول رہنا ضروری ہے۔ حالانکہ یہ مفروضہ غلط ہے۔ انسان زندہ رہنے کے لیے عمل پر مجبور ہے، مگر اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، اس کے لیے کسی کام میں مصروف ہونا ضروری نہیں۔

تیسرا مغالطہ:

اسی طرح معترض نے یہ فرض کر لیا ہے کہ کائنات سے پہلے بھی کوئی وقت تھا۔ حالانکہ وقت اور مکان خود اللہ کی مخلوق ہیں۔ کائنات سے پہلے وقت نام کی کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ جب وقت ہی موجود نہ ہو تو یہ سوال کہ اللہ اُس وقت کیا کر رہا تھا؟ بے معنی ہے۔ اللہ ہمیشہ سے اپنی ذات میں موجود ہے، اور اس کا وجود کسی زمان و مکان کا محتاج نہیں۔

مثالی جواب:

یہ سوال ایسا ہی ہے جیسے کوئی پوچھے کہ سورج نکلنے سے پہلے روشنی کہاں تھی؟۔ سوال غلط ہے، کیونکہ روشنی خود سورج کے نکلنے کے ساتھ وجود میں آتی ہے۔

اسی طرح کائنات سے پہلے اللہ کیا کر رہا تھا؟ سوال ہی بے بنیاد ہے، کیونکہ زمان و مکان کا آغاز ہی کائنات کی تخلیق سے ہوا ہے۔ فافہم

razamarkazi@gmail.com



عصرِ حاضر کے جدید وسائل اور ہماری نظریاتی ذمہ داریاں

---------از قلم: محمد صادق الاسلام (اتر دیناج پور مغربی بنگال، متعلم: دارالعلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی-یوپی)

حالات کے پیش نظر سوشل میڈیا کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے، اس کی اہمیت و ضرورت میں دن با دن تیزی کے ساتھ اضافہ ہوتا جا رہا ہے، کیونکہ ایک بڑی تعداد میں عوام الناس سوشل میڈیا سے منسلک ہوتی جا رہی ہے، یہ بات ذہن نشین رہے کہ وسائل مقاصد کے تابع ہوتے ہیں۔ آج کے دور میں کسی بات کو تیزی کے ساتھ ایک دوسرے تک پہنچانے میں جدید وسائل سوشل میڈیا ہے، جن میں فیس بک، ٹوئٹر، انسٹاگرام، واٹس ایپ، ایم ایم ایس وغیرہ شامل ہیں۔ ان کا استعمال جائز کاموں میں بھی ہو رہا ہے، اور ناجائز میں بھی، جائز کاموں میں اس کا استعمال جائز ہے، جبکہ حرام اور معصیت میں استعمال کیا جائے تو ناجائز اور گناہ ہے، سوشل میڈیا کا استعمال کرتے ہوئے یہ لازمی طور پر یاد رکھیں! کہ ایک چھوٹا سا فون جس کے اندر پوری دنیا کو جذب کر دیا گیا، اس کے غلط استعمال ہمیں جہنم کی وادیوں میں پھینک دیتا ہے، اور صحیح استعمال جنت کا حقدار بنا سکتا ہے۔

اگر ہم کسی چیز کے اصل مقصد تک پہنچنا چاہتے ہیں، تو سب سے پہلے اس کی تعریف کا تعین کرنا ضروری ہے۔ اسی تناظر میں، ہم سوشل میڈیا کے تصور اور اس کے بنیادی ڈھانچے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سوشل میڈیا کیا ہے؟

سوشل میڈیا سے مراد انٹرنیٹ پر مبنی وہ ڈیجیٹل پلیٹ فارمز اور ٹیکنالوجیز ہیں، جو صارفین کو مواد (Content) تخلیق کرنے، شیئر کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ بڑے پیمانے پر تعامل (Interact) کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

میڈیا کی قسمیں:

میڈیا کی اب ۳ قسمیں بنتی ہیں۔

اول: پرنٹ میڈیا۔

دوم: الیکٹرانک میڈیا۔

سوم: سوشل میڈیا۔

☆☆☆☆

تعریفات:

پرنٹ میڈیا:

اس میں وہ تمام ذرائع شامل ہیں جن کی مدد سے ہم لکھ کر بات چیت کرتے ہیں۔
مثال کے طور: اخبارات، رسائل وغیرہ

الیکٹرانک میڈیا:

اس میں وہ تمام ذرائع شامل ہیں جن میں بات کو پہنچانے کے لئے برقی توانائی کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً: ٹیلیفون وغیرہ۔

سوشل میڈیا:

یہ واحد ذرائع ابلاغ کی جدید ترین شکل ہے جس نے بہت کم عرصے میں بہت زیادہ ترقی حاصل کی ہے۔

سوشل میڈیا کا استعمال شریعت کی روشنی میں:

شریعت کے اندر سوشل میڈیا کا استعمال اگر شرعی امور اسلامی تعلیم، دین کی تبلیغ کے لیے ہو تو استعمال کر سکتے ہیں۔

لیکن اگر ان کا استعمال خاص چیزوں کے لیے کرتے ہیں، تو ناجائز و حرام ہے، گانا سننے کے لئے یا پھر وہ کام کرتے ہیں، جس کو شریعت نے منع کیا ہے۔ ان سب چیزوں کے لیے شرعاً اس سننے کے کے استعمال سے روکا گیا ہے۔

نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے اور گناہ کے کاموں میں مدد نہ کرنے کا حکم۔

رب تبارک وتعالی کلام مقدس میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ "

ترجمہ کنزالایمان: اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (سورۃ المائدۃ: آیت: ۲)

یہ انتہائی جامع آیت مبارکہ ہے، نیکی اور تقویٰ میں ان کی تمام انواع و اقسام داخل ہیں، اور اثم اور عدوان (یعنی گناہ، خطا، قصور، جرم) میں ہر وہ چیز شامل ہے، جو گناہ اور زیادتی کے زمرے میں آتی ہو، علم دین کی اشاعت میں وقت، مال، درس و تدریس اور تحریر وغیرہ سے ایک دوسرے کی مدد کرنا، دین اسلام کی دعوت اور اس کی تعلیمات دنیا کے ہر گوشے میں پہنچانے کے لئے باہمی تعاون کرنا، اپنی اور دوسروں کی عملی حالت سدھارنے میں کوشش کرنا، نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے منع کرنا، ملک و ملت کے اجتماعی مفادات میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا، سوشل ورک

اور سماجی خدمات سب اس میں داخل ہے۔ گناہ اور ظلم میں کسی کی بھی مدد نہ کرنے کا حکم ہے۔ کسی کا حق مارنے میں دوسروں سے تعاون کرنا، رشوتیں لے کر فیصلے بدل دینا، جھوٹی گواہیاں دینا، بلا وجہ کسی مسلمان کو پھنسا دینا، ظالم کا اس کے ظلم میں ساتھ دینا، حرام و ناجائز کاروبار کرنے والی کمپنیوں میں کسی بھی طرح شریک ہونا، بدی کے اڈوں میں نوکری کرنا یہ سب ایک طرح سے برائی کے ساتھ تعاون ہے اور ناجائز ہے۔

سبحان اللہ !قرآن پاک کی تعلیمات کتنی عمدہ اور اعلیٰ ہیں، اس کا ہر حکم دل کی گہرائیوں میں اترنے والا، اس کی ہر آیت گمراہوں اور گمراہ گروں کے لئے روشنی کا ایک مینار ہے۔ اس کی تعلیمات سے صحیح فائدہ اسی وقت حاصل کیا جا سکتا ہے، جب ان پر عمل بھی کیا جائے۔

افسوس، فی زمانہ مسلمانوں کی ایک تعداد عملی طور پر قرآنی تعلیمات سے بہت دور جا چکی ہے۔ اللہ تعالی سبھی مسلمانوں کو قرآن کے احکامات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

سوشل میڈیا استعمال کرنے کی احتیاطیں:

افسوس سے یہ بات کہنی پڑتی ہے، کہ سوشل میڈیا کے غلط استعمال کا رجحان ہمارے معاشرے میں بڑی تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے، جس کی وجہ سے نوجوان نسل اور بچوں کے ذہنوں میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے، دشمنان اسلام بڑے منظم اور غیر محسوس طریقے سے ہمارے مذہبی جذبات سے کھیل رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر افسوس کی بات یہ ہے ہماری نوجوان نسل فحاشی، عریانی اور بے حیائی کے کاموں میں مبتلا ہو گئے، نوجوان نسل میں اخلاقی بگاڑ پیدا کر کے معاشرتی توازن کو مضطرب کیا جا رہا ہے، سوشل میڈیا پہ غلط معلومات اور جھوٹی خبریں وائرل کر کے ہمارا قیمتی وقت برباد کیا جا رہا ہے، سوشل میڈیا پر مختلف طریقوں سے نسل نو کو ذہنی و جسمانی طور پر مفلوج کرنے کی بھر پور کوشش کی جا رہی ہے، انہیں ان کے اپنوں سے دور کیا جا رہا ہے۔

لہذا! اس سے بچنے کے لئے والدین کو اس صورتحال سے لڑنے کے لئے ذہنی طور پر بیدار رہنے کی اشد ضرورت ہے، انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ان کا بیٹا یا بیٹی سوشل میڈیا پر کیا دیکھ رہے ہیں، سوشل میڈیا پر اتنا زیادہ وقت دے کر کیا کر رہا ہیں۔

والدین تو یہ سمجھتے ہیں کہ بیٹا یا بیٹی سوشل میڈیا کے ذریعہ پڑھ رہے ہیں، جبکہ عموماً پڑھائی کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہو رہا ہے، جس کو بیان کرنا

مناسب نہیں سمجھتا ہوں، والدین کو توکم از کم اتنی توفیق ہونی چاہیے، کہ کبھی کبھا اٹھ کر دیکھ لینا چاہیے، کے بچوں یا بچیاں سوشل میڈیا پر کیا کرر ہے ہیں۔

اگر والدین ابتداء سے بچوں پر کنٹرول نہیں کریں گے تو کہی ایسا نہ ہو کہ پانی سر سے گزر جائے، اور اسوقت پچھتاوے کے سوا کچھ نہ ہو گا۔

سوشل میڈیا اپنے انداز بہت سے نقصانات اور فوائد جذب کئے ہوئے ہیں، ائے کچھ ان کے نقصانات اور فوائد کو جانتے ہیں۔

فوائد سوشل میڈیا:

رابط: سوشل میڈیا کے تحت لوگ اپنے دوست و احباب اپنے خاندان اور رشتے دار سے اپنا رابطہ برقرار رکھتے ہیں، کیونکہ سوشل میڈیا نے یہ ساری سہولتیں فراہم کی ہے۔

۱)۔ بچوں، جوانوں، عورتوں اور عام مسلمانوں میں ان کی ضرورت کے لحاظ سے دین کی تعلیم و اشاعت اور اخلاقی تربیت کے لئے اس کو آسانی کے ساتھ بہت مؤثر طریقہ پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۲)۔ اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا کی جاتی ہیں، اور زیادہ تر اسی راستہ سے کی جاتی ہیں، اس میڈیا سے ان کا مؤثر طور پر رد کیا جا سکتا ہے۔

۳)۔ تعلیم کے لئے اب یہ ایک مؤثر ذریعہ بن چکا ہے، نوجوان نسل اس ذریعہ ابلاغ سے بھی علم دین حاصل کر سکتا، اور اپنی صلاحیت کو پروان چڑھا سکتا ہے۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ کسی دیہات میں بیٹھے ہوئے طالب علم کے لئے بھی اس کے ذریعہ مشرق و مغرب کے ماہر ترین اساتذہ سے کسب فیض کرنا ممکن ہے، ایسے تعلیمی مفادات کے لئے اس ذریعہ سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

۴)۔ صحت و علاج کے شعبہ میں بھی اس سے مدد لی جا سکتی ہے، اس کے ذریعہ ماہر ترین معالجین سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۵)۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ سوشل میڈیا پر جھوٹی خبریں پھیلانے اور نیز حقیقت کو دبانے اور چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے، اور نہایت مہارت کے ساتھ مظلوم کو ظالم اور ظالم کو مظلوم بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ ان حالات میں سوشل میڈیا کے ذریعہ سچائی کو پیش کرنے اور جھوٹ کا پردہ چاک کرنے کی اہم خدمت انجام دی جا سکتی ہیں۔

۶)۔ آج ہمارے معاشرے میں بہت سے

ایسے بندے ہیں جن کو اللہ تعالی نے بے پناہ صلاحیتوں سے سرفراز فرمایا ہے، لیکن وہ وسائل کی کمی کی وجہ سے نہ کتاب لکھ پاتے ہیں، اور اگر لکھ بھی لیا تو اسکی طباعت کے لئے مالی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور اس طرح ان کی صلاحیتیں ان کے ساتھ انکی قبر میں چلی جاتی ہیں، لیکن دور حاضر میں ایسے بندوں کے لیے ایک خوبصورت موقع ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے سوشل میڈیا کا استعمال کریں اور اقوام عالم کو اپنی علمی کاوشوں اور صالح خیالات سے مستفید فرمائیں۔

۷)۔ اسی طرح سے وہ حضرات جو متلاشی علم ہیں اور جنہیں اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے کتب خانوں کا چکر لگانا پڑتا ہے، اور بسا اوقات بہت کی مطلوبہ کتابوں سے محرومی ہوا کرتی ہے، ایسے لوگ سوشل میڈیا کے وساطت سے ملک و عالم کے بڑے بڑے کتب خانوں تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں، اور بروقت من پسند کتابوں سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ اور اس طرح سے سوشل میڈیا کو استفادہ کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۸)۔ اسی طرح سے وہ باطل خیالات و تصورات جن کو ملک و معاشرے کے شر پسند عناصر پھیلا کر عدم رواداری کا ماحول بناتے ہیں اور ان کا تعاقب و دفاع بھی سوشل میڈیا کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔

۹)۔ سوشل میڈیا کا استعمال اپنے مقاصد کی تکمیل اور اسلام کی بالا دستی قائم کرنے کی خاطر کیا جا سکتا ہے۔ اور سوشل میڈیا کو دعوت کے فروغ کے لئے کیا جا سکتا ہے۔

۱۰)۔ سوشل میڈیا کے ذریعے اسلام کی عالمگیریت اور آفاقیت سے غیر مسلموں کو متعارف کرایا جا سکتا ہے۔

سوشل میڈیا کے جس قدر فوائد ہیں ایسی طرح سوشل میڈیا کے کچھ نقصانات بھی ہیں جو اپ کے سامنے ہے:

سوشل میڈیا کے منفی اثرات:

عام طور پر ہمارے لوگوں نے اسے منفی سرگرمیوں کے لیے زیادہ استعمال کر رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج یہ چیز نعمت کم اور زحمت زیادہ محسوس ہو رہی ہے؛ کیونکہ اس کے غلط استعمال کے سبب، ہماری تہذیب و تمدن اور مذہبی معاملات سب سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں، ہماری نوجوان نسل اپنی تہذیب سے بیگانہ ہوتی چلی جا رہی ہے، اپنے رہن سہن کے طور طریقوں اور

گفتگو کو اپنانے میں انہیں عار محسوس ہوتی ہے، جاہلیت کے اطوار اور ہندوؤں کے رسم ورواج کو جدید فیشن سمجھ کر اپنانے میں، ہماری قوم اس قدر آگے نکلی جارہی ہے، کہ ان میں سے بعض نے تو اپنے دین ومذہب کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔

نوجوان بچیاں گھر کے بند کمروں میں غیر محفوظ ہو چکی ہیں، بعض تو اپنے ہی ہاتھوں اپنی عزت وعصمت کو نیلام کرنے لگی ہیں، ایک ہی گھر میں رہنے والے افراد ایک دوسرے سے بیگانے ہو چکے ہیں، طلبہ وطالبات اپنے فارغ اوقات میں مطالعہ کتب کے بجائے، چیٹنگ (Chatting) کی صورت میں فضول گفتگو کے ذریعے اپنا قیمتی وقت برباد کرتے رہتے ہیں۔ حقائق کے برعکس فیس بک (Facebook) کی بعض فیک پوسٹوں پر نازیبا کمنٹس کی صورت میں، گالی گلوچ، غیبت، چغلی، بد کلامی بد تہذیبی، الزام تراشی اور بہتان بازی کا بازار بھی خوب گرم رہتا ہے۔

آج کا یہ میڈیا جہاں انفارمیشن (Information) کا بہت بڑا بد ذریعہ ہے، بد قسمتی سے وہیں اسے غلط اور نامناسب معلومات کے فروغ میں بھی، بطورِ ہتھیار استعمال کیا جارہا ہے، سیاسی جماعتیں اپنے مخالفین پر اس کے ذریعے کیچڑ اچھال رہی ہیں، جبکہ دہشت گرد بھی اپنے مذموم پروپیگنڈہ اور نا جائز مقاصد کے حصول کے لیے سوشل میڈیا کا استعمال خوب کر رہے ہیں۔ جبکہ نام نہاد مہذب یورپی ممالک سے تعلق رکھنے والے غیر مسلم انتہاء پسند، یہود و نصاری اور ہنود بھی، اسی میڈیا کو ہمارے نبی کریم مصطفیٰ جان رحمت بھی اس کی شان میں گستاخی کے لیے استعمال کررہے ہیں۔

سوشل میڈیا کے ذریعے توہین آمیز کارٹونز (Cartoons) کا مقابلہ کروا کر، امت مسلمہ کی دل آزاری کا سامان بھی کیا جارہا ہے۔ شخصی آزادی کا غلط استعمال بھی خوب ہو رہا ہے، جس کا جو جی چاہتا ہے، وہ سوشل میڈیا پر اپلوڈ کر دیتا ہے، ایک دوسرے کے لیے قوت برداشت ختم ہوتی جارہی ہے، کوئی کسی کی رائے کا احترام کرنے کو تیار نہیں۔ لوگ بغیر سوچے سمجھے اپنا ذاتی ڈیٹا (Data) شیئر (Share) کررہے ہیں، جسے جرائم پیشہ گروہ بلیک میلنگ کے لیے استعمال کرکے، لوگوں سے لوٹ مار کررہے ہیں، اُن کی عزتوں سے کھیل رہے ہیں، ان کے بارے میں غلط اور بے بنیاد تہمتوں کا بازار گرم کررہے ہیں۔

یاد رہے کہ کسی بھی مسلمان کو بے قصور تکلیف واذیت دینا حرام ہے، نیز اللہ تعالی کی شدید ناراضگی کا بھی سبب ہے، ارشادِ باری تعالی ہے

"وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا " (پ٢٢،الأحزاب:٥٨)

ترجمہ: "ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے قصور ستاتے ہیں، انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لے لیا"۔

عزیز رکھیے کہ: کسی مسلمان کو تکلیف و ایذا دینا، کسی کے عیبوں کی ٹوہ میں لگے رہنا کسی کے عیبوں کو لوگوں میں مشہور کرنا، کسی کے بارے میں افواہیں پھیلاتے رہنا، کسی کے راز جاننے کی کوشش کرنا، اور انہیں لوگوں میں عام کرنا، شرعا نا جائز و حرام ہے۔ اگر ہم میں سے کسی کو موبائل کال، Sms یا انٹرنیٹ کے ذریعے کسی مسلمان کا کوئی راز، عیب یا غلطی معلوم ہو جائے، تو ہرگز ہرگز اسے انتہائی شدید مجبوری یا ضرورت کے بغیر کسی سے بیان نہ کیا جائے؛ کیونکہ اس طرح اس مسلمان کی ایذا رسانی، عیب جوئی اور راز افشانی کے قوی امکانات ہیں، اور یہ سب کام یقینا ناجائز و حرام ہیں۔ بڑی بات اور بڑے کام اچھے اخلاق اور شرافت کے منافی ہیں۔

حضرت سیدنا عبد اللہ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، مصطفیٰ جان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ قَلْبَهُ! لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ، وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ؛ فَإِنَّهُ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ !"

یہ وہ لوگ جو صرف اپنی زبان سے اسلام لائے، جبکہ ایمان ابھی اُن کے دلوں میں داخل نہیں ہوا! مسلمانوں کی غیبت مت کرو، ان کی عیب جوئی مت کرو! جو اپنے مسلمان بھائی کے عیبوں کی تلاش میں رہے گا، اللہ تعالی اس کے عیب کو ظاہر فرمادے گا، اور اللہ تعالی جس کے عیب کو ظاہر فرمادے، وہ اپنے گھر میں بھی ذلت ورسوائی سے نہیں بچ سکتا!! ("سنن أبي داود" کتاب الأدب، باب في الغيبة، ر:٤٨٨٠، ص٦٨٨)

واضح رہے کہ یہ حدیث سوشل میڈیا اور ہماری ذمہ داریاں کے صفحہ ۵ سے نقل کیا گیا ہے۔

بلا تحقیق کی بات کو دوسروں کے ساتھ شیئر کرنا کیسا؟:

کئی باتیں ایسی ہیں، جو انٹرنیٹ یا سوشل میڈیا کے ذریعے ہمارے علم میں آتی ہیں، اور ہم بلا تحقیق وبلا احتیاط انہیں آگے شیئر (Share) کر دیتے ہیں، حالانکہ ایسا کرنا عقل و دانش کے بھی خلاف ہے! ایسی چیزیں شیئر کرنے کے بعد بسا اوقات شرمندگی کا سامنا بھی ہوتا ہے، لہذا اگر کوئی شخص ہمارے ساتھ کسی دوسرے مسلمان بھائی

کے بارے میں، کوئی ایسی پوسٹ یا ویڈیو شیئر کرے، جو کسی مسلمان کے لئے ندامت و عار یا بدنامی کا باعث ہو، تو اس کی تشہیر کرنے کے بجائے اسے چھپانا، اور لوگوں سے پوشیدہ رکھنا لازم ہے۔

جن جن مقامات پر شریعت اسلامیہ نے اجازت دی ہے، وہاں بھی بلا تحقیق کسی کی پوشیدہ بات لوگوں سے بیان کرنا جائز نہیں ؟ کہ کہیں ہماری طرف سے کسی مسلمان کو ایذا نہ پہنچے کہیں ہماری کوتاہی کسی مسلمان کی بدنامی و آبروریزی کا باعث نہ بن جائے ! کہیں ہماری نادانی و بے احتیاطی، کسی کے گھربار، کیریئر (Carrier) اور زندگی کی بربادی کا سبب نہ بن جائے، اور بعد میں ہمیں ندامت و شرمندگی اُٹھانی پڑے اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

"يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَا فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَدِمِينَ"

اے ایمان والو ! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے، تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ!"۔ (پ٢٦،الحجرات:٦)

لہٰذا کتاب و سنت کی ان تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے، ہمیں بغیر سوچے سمجھے کسی بھی خبر یا پیغام (چاہے وہ قرآن کریم یا حدیث پاک کا نام لے کر کہی گئی ہو) کو کلک کر کے شیئر کرنے کی جلد بازی سے بچنا چاہیے، اللہ تعالی سے ڈرتے رہنا چاہیے، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہنا چاہیے ؟ کیونکہ یہی اللہ عزوجل کا حکم ہے۔:

" يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّدِقِينَ "(پ١١،التوبۃ:١١٩)

ترجمہ: اے ایمان والو ! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ!۔

اسی طرح ہم میں سے کوئی، جب فرمان الٰہی یا حدیث رسول بیان کرے، تو پوری تحقیق کے ساتھ بیان کرے، اپنی طرف سے اس کو قرآن کریم یا حدیث مبارک نہ بتائے، اگر ہمیں کوئی ایسی بات سوشل میڈیا، انٹرنیٹ یا کسی دوسرے ذریعہ سے معلوم ہو، تو اسے بھی بنا تحقیق آگے شیئر نہیں کرنا چاہیے؛ کیونکہ کبھی کبھی ایسا کرنا بہت بڑے گناہ، اور جہنم میں جانے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ كَذِباً عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ"(صحیح البخاری کتاب الجنائز، ر:١٢٩١، ص٢٠٦)

میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرنا، اور کسی دوسرے پر جھوٹ باندھنا، دونوں برابر

نہیں بلکہ جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے، اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے!"۔

لہذا جب تک حدیث پاک کا صیح علم نہ ہو، اُسے حدیث رسول کہہ کر بیان کرنا، یا سوشل میڈیا پر شیئر کرنا حرام ہے؛ کیونکہ یہ حضور نبی کریم ﷺ پر جھوٹ اور بہتان باندھنے کے مترادف ہے، لہذا ہم سب پر لازم ہے کہ کسی ماہر عالم دین کے ذریعے، پہلے ان باتوں کی تحقیق کر لیں؛ تاکہ بات پختہ و یقینی ہو جائے، تب اسے لوگوں سے بیان کریں، اور فیس بک وغیرہ پر بھی شیئر کریں۔

نیوزی لینڈ کی اوٹاگو یونیورسٹی کی تحقیق کے مطابق:

رات کو سوتے وقت اسمارٹ فونز یا دیگر اسکرینوں کا استعمال مسائل کا باعث بنتا ہے، اور نیند بھی متاثر ہوتی ہے، جس کے لیے ضروری ہے کہ سونے سے آدھا گھنٹہ قبل ان سے دوری اختیار کی جائے محققین نے یہ بھی بتایا کہ بستر پر اسمارٹ فونز کو صرف ۱۰ منٹ استعمال کرنے سے ہر رات کم از کم ۱۰ منٹ کی نیند گھٹ جاتی ہے۔

جب کوئی شخص رات کے وقت موبائل یا دیگر ڈیوائسز کا استعمال کرتا ہے تو اس میں ایک نیلی روشنی ہوتی ہے جو اس کے دماغ کو یہ احساس دلاتی ہے کہ ابھی رات نہیں ہوتی ہے، بلکہ دن ہے جس کی وجہ سے وہ دیر رات تک جگتا ہے، لیکن جب وہ شخص دیر رات تک جگے گا تو صبح بھی دیر تک سوئے گا جب رات میں اچھی طرح نیند مکمل نہیں ہوگی تو جسم پر تھکان چڑ چڑاہٹ، ذیابیطس، دل کی بیماریوں، اور موٹاپے کے خطرات بڑھ سکتے ہیں جسم پر بھاری پن محسوس ہو گا اور اس پر غنودگی طاری رہے گی جس کی وجہ سے اس کا نظام درہم برہم رہیگا اور سونے کا نظام درست نہ ہونے کی وجہ سے بہت ساری بیماریاں جنم لیں گی۔

اس سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ:
رات میں سونے سے دو تین گھنٹہ قبل موبائل یا ٹی وی واسکرین دیکھنے سے گریز کریں۔

اور موبائل سے دوری کا ایک بہت اچھا طریقہ یہ ہے کہ آپ سونے سے پہلے اپنی پسندیدہ کتاب کے دس صفحات کم از کم پڑہیں اس طرح اپ ہفتے میں کئ صفحات کا آسانی سے مطالعہ کر سکتے ہیں۔

اگر آپ کو رات میں کام کرنا ہی پڑتا ہے، تو نیلی روشنی روکنے والے چشمے یا اسکرین فلٹر استعمال کریں۔ یہ دن میں زیادہ دیر دھوپ میں رہیں، اس سے رات کو بہتر نیند آئے گی۔

مدارات میں مدھم سرخ روشنی استعمال کریں، کیونکہ یہ نیند پر کم اثر ڈالتی ہے۔

ہارورڈ مائرین کی تحقیق کے مطابق:

جب کوئی شخص سوشل نیٹ ورکنگ کا استعمال کرتا ہے، تو اس وقت اس کے دماغ کا ایک حصہ متحرک ہو جاتا ہے، جیسا کہ نشہ کرتے وقت متحرک ہوتا ہے، لہذا سوشل میڈیا بھی ایک ایسا نشہ ہے، جس نے اپنے یوزر کو اپنی گرفت میں اس طریقے سے لے رکھا ہے کہ وہ سوشل میڈیا کو استعمال کرنے کے بجائے خود استعمال ہو جاتے ہیں۔

تعجب! اس بات پر ہے کہ کیا ہم اس موبائل پر اپنا حکم چلا رہے ہیں یا وہ ہم پر اپنا حکم چلا رہا ہے؟ کیا ہم اسے اپنی ضرورت کے لیے استعمال کر رہے ہیں یا وہ ہمیں اپنی ضرورت کے لیے استعمال کر رہا ہے؟ کیا ہم نے اس کو اپنی ضرورت کے لیے خریدا ہے یا اس نے ہمیں خریدا ہے؟ واقعی انسان جیسی عقل و شعور رکھنے والی مخلوق کے لیے حیرت وافسوس کا مقام یہ ہے کہ وہ اپنی ہی بنائی چیزوں کا غلام بن بیٹھا ہے، اور اپنی زندگی جیسی بیش قیمتی دولت کو بھی اس نے اس کے لیے وقف کر دیا ہے۔

نظریاتی بحران:

نظریاتی بحران کی وجہ سے ہمارا معاشرہ بے حس اور بے ضمیر ہوتا جا رہا ہے۔ سیاست اور معاشرتی امور میں ایسے لوگوں کی اکثریت ہے، جو اخلاقی تہذیبی، ثقافتی، علمی، ادبی، تعلیمی اور خاص طور پر نظریاتی پستی میں اول درجے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ ہمارا معاشرہ شدید نظریاتی بحران سے دوچار ہے۔ معاشرے میں کثیر تعداد میں ایسے لوگ موجود ہیں جو نظریاتی طور پر مردہ ہیں نہ یہ کسی سے نظریاتی اختلاف کرتے ہیں نہ اتفاق۔

نظریاتی بحران کا نقصان:

نظریاتی بحران کی وجہ سے انکی ذات بے حس اور مردہ ضمیر ہو جاتی ہے۔ جو بس اپنی ضروریات پوری کرنے کی کوشش میں موت تک پہنچ جاتا ہے۔

ظاہری طور پر وہ رائے بھی دیتے ہیں تنقید بھی کرتے ہیں، لیکن حقیقی معنوں میں وہ اس سے نظریاتی طور پر غیر مؤثر ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہمارا معاشرہ بدعنوانی اور اخلاقی پستی سے دوچار ہے۔

نظریاتی بحران کا مصداق:

یہ اصطلاح ہمارے موجودہ دور کے

حکمرانوں پر صادق آتی ہے۔ یہ لوگ آج ایک بات کی تائید کرتے ہیں، کل کو اس کی مخالفت کبھی ایک نظریہ رکھنے والی جماعت کے ساتھ کبھی اس سے نظریاتی تصادم رکھنے والی جماعت کے ساتھ جو شخص نظریاتی طور پر مضبوط اور ثابت قدم ہو وہ کبھی بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ سب نظریاتی تبدیلی کی وجہ سے ہوتا ہے بلکہ یہ طاقت اور اقتدار میں تبدیلی کی باعث نظر آتا ہے۔

حاصل گفتگو:

چونکہ بدقسمتی سے انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے غلط استعمال کا رجحان، ہمارے معاشرے میں بڑی تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے! اس کے باعث نوجوان نسل اور بچوں کے ذہنوں پر مسلسل کاری ضرب لگائی جا رہی ہے، معاندین اسلام بڑے منظم اور غیر محسوس طریقے سے، ہمارے مذہبی جذبات کو سرد کر رہے ہیں، ہماری نوجوان نسل میں فحاشی، عریانی اور بے حیائی کو فروغ دے رہے ہیں، ان میں اخلاقی بگاڑ پیدا کر کے معاشرتی توازن کو مضطرب کیا جا رہا ہے، غلط معلومات اور جھوٹی خبروں کو سنسنی خیز انداز میں وائرل کر کے، ہمارا قیمتی وقت برباد کیا جا رہا ہے، نسل نو کو ذہنی و جسمانی طور پر مفلوج کرنے کی بھرپور کوشش کی جا رہی ہے، انہیں ان کے اپنوں سے دور کیا جا رہا ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں والدین کو اس سنگین صورتحال کا ادراک کرتے ہوئے، ذہنی طور پر بیدار رہنے کی اشد ضرورت ہے، انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ان کا بیٹا یا بیٹی انٹرنیٹ یا سوشل میڈیا پر کیا دیکھ رہے ہیں، یا کیا کر رہے ہیں! ساری ساری رات کمپیوٹر چلتا ہے، والدین سمجھتے ہیں کہ بیٹا یا بیٹی پڑھائی میں لگے ہوئے ہیں، جبکہ عموماً پڑھائی کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہو رہا ہوتا ہے! والدین کو اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ اُٹھ کر کبھی دیکھ ہی لیں کہ بچہ کیا کر رہا ہے؟ اگر یہ نہیں کر سکتے تو کم از کم مخش مواد پر مبنی مخصوص ویب سائٹس ہی کو بلاک کروا دیں، ورنہ اگر پانی سر سے گزر گیا، تو پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا!!۔

دعا: اے اللہ! ہمیں اور ہماری آنے والی تمام نسلوں کو بڑے ماحول سے بچا، ہمیں اپنی عبادت، اور نیک اعمال کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ! ہمیں دین اسلام کا وفادار بنائے رکھ، ہمیں سچا پکا باعمل عاشق رسول بنا۔ ہماری صفوں میں اتحاد کی فضا پیدا فرما، ہمیں پنج وقتہ باجماعت نمازوں کا پابند بنا، اس میں سستی و کاہلی سے بچا، ہر نیک کام میں اخلاص کی دولت عطا فرما،

تمام فرائض و واجبات کی ادائیگی بحسن و خوبی انجام دینے کی بھی توفیق عطا فرما، بخل و کنجوسی سے محفوظ فرما، خوش دلی سے غریبوں محتاجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین یارب العالمین ﷺ

از قلم: محمد صادق الاسلام
(اتر دیناج پور مغربی بنگال)
متعلم: دارالعلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی-یوپی)

دورِ حاضر میں تبلیغِ اسلام کے تقاضے

-------------تحریر: سید منور علی شاہ بخاری قادری رضوی (ہائی پوائنٹ، نارتھ کیرولائنا-امریکہ)

یہ سعادت ہے کہ ماہنامہ فخر بہار جیسا علمی و فکری رسالہ دینِ اسلام کی ترویج، فہمِ دین کی اشاعت اور امت کی اصلاح کے لیے اپنی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ یہ محض ایک رسالہ نہیں بلکہ ایک فکری تحریک، ایک دعوتی پلیٹ فارم اور ایک اصلاحی مشن ہے۔

خصوصی طور پر **سرپرستِ محترم** جن کی سرپرستی اس کارواں کے لیے سایۂ رحمت ہے۔ ان کی دعائیں، بصیرت اور رہنمائی اس رسالے کی روح ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔

مدیرِ اعلیٰ جنہوں نے مختلف اہلِ قلم سے مضامین جمع کر کے ایک علمی خزانہ ترتیب دیا۔ یہ کام صرف محنت نہیں بلکہ اخلاص، دردِ امت اور دینی غیرت کا تقاضا کرتا ہے۔

مدیرِ محترم جنہوں نے ترتیب، حسنِ انتخاب اور ادبی ذوق کے ساتھ اس رسالے کو ایک خوبصورت شکل دی۔ ان کی خدمات یقیناً قابلِ صد تحسین ہیں۔

آج ہم ایک ایسے دور میں زندہ ہیں جہاں دنیا ایک "گلوبل ولیج" بن چکی ہے۔ امریکہ، انگلینڈ، یورپ، ہندوستان، پاکستان سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔

ایسے میں تبلیغِ اسلام کا انداز بھی بدلنا ضروری ہے۔

قرآنِ کریم فرماتا ہے:

"وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ"
(الأنبياء:۱۰۷)

یعنی نبی ﷺ پوری انسانیت کے لیے رحمت بن کر آئے۔۔۔ لہٰذا تبلیغ بھی عالمی ہونی چاہیے، محدود نہیں۔

۱. قرآن کی روشنی میں دعوت کا حکم

"ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ" (النحل:۱۲۵)

امت کی ذمہ داری

"كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ" (آل عمران:۱۱۰)

۲. حدیث کی روشنی میں

"لَأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ"

یہ حدیث تبلیغ کی عظمت کو واضح کرتی ہے۔

۳. اقوالِ بزرگان

اعلی حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خانؒ محدث بریلوی "تبلیغ میں ادب، علم اور اخلاص تینوں کا جمع ہونا ضروری ہے"

علامہ اقبال: "عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی" (امریکہ، انگلینڈ، یورپ)

یہاں تبلیغ کا میدان حساس اور اہم ہے۔

۱. اسلام کو بطور "رحمت" پیش کرنا

غیر مسلم اسلام کو دہشت، سختی اور شدت سے جوڑتے ہیں۔

ہمیں اسلام کو رحمت، امن، محبت، انصاف کے دین کے طور پر پیش کرنا ہوگا۔

۲. زبان کا انتخاب

انگریزی میں دعوت

سادہ اور منطقی انداز

جذباتی نہیں، عقلی گفتگو

۳. عملی نمونہ بننا

یہاں لوگ دیکھتے ہیں:

مسلمان کی زندگی، اس کا اخلاق، اس کا کردار تبلیغ یہاں عمل سے ہوتی ہے، الفاظ سے کم۔

☆☆☆☆

۴. بین المذاہب مکالمہ

احترام کے ساتھ گفتگو

مشترک اقدار پر بات

نفرت سے پرہیز

۵. مساجد کو دعوتی مراکز بنانا

اوپن ہاؤس پروگرام

غیر مسلموں کو دعوت

سوال وجواب نشستیں

(ہند، پاک) میں تبلیغ

یہاں مسئلہ مختلف ہے:

رسم ورواج، بدعات، جہالت، فرقہ واریت

۱. اصلاحِ مسلمین

تبلیغ کا پہلا میدان مسلمان خود ہیں۔

۲. علم کی ترویج

مدارس، دروسِ قرآن، عوامی تعلیم

۳. اتحادِ امت

اختلاف کم، اتفاق زیادہ۔

آج کا سب سے طاقتور ہتھیار: سوشل میڈیا

ضروری اصول: مستند مواد، خوبصورت انداز، مختصر ویڈیوز، نوجوانوں کی زبان

خطرات: جھوٹی احادیث، جذباتی کلپس،

فرقہ واریت، سب سے بڑا میدان

مسائل: الحاد، ڈپریشن، دین سے دوری

حل: محبت، مکالمہ، رہنمائی، جدید انداز، خواتین اور خاندان، گھر تبلیغ کا پہلا مرکز ہے۔

ماں = پہلی معلمہ

گھر = پہلی درسگاہ

کامیاب مبلغ کی صفات: علم، اخلاص، صبر، حکمت، اخلاق، تبلیغ کا عملی نظام

ایک مکمل ماڈل: مسجد مرکز، کلاسز تعلیم، سوشل میڈیا نشر، فلاحی کام اثر۔

غیر مسلموں کو متاثر کرنے کا طریقہ:

۱. اسلام کو آسان انداز میں پیش کریں:

توحید، اخلاق، عدل

۲. سوالات کے جواب دیں:

سائنس، مذہب، آزادی

۳. محبت سے پیش آئیں:

نبی کریم ﷺ کا انداز یہی تھا۔

نتیجہ و پیغام:

آج تبلیغ ایک مشن ہے،

جس کے لیے ہمیں:

علم، اخلاص، حکمت، جدید وسائل،

کردار، سب کو جمع کرنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ کریم سب مسلمانوں کو سچا مبلغ بنا دے، ہماری زبانوں میں تاثیر فرما دے، ہمارے عمل کو دعوت بنا دے، اور ہمیں دین کا خادم بنا دے۔ آمین ثم آمین

یہ مضمون اس نیت سے تحریر کیا گیا ہے کہ امتِ مسلمہ خصوصاً مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمان تبلیغِ اسلام کے صحیح اصولوں کو سمجھیں اور اپنائیں۔

لک الحمد یااللہ جل جلالہ

الصلوٰۃ والسلام علیک

یارسول اللہ ﷺ

☆☆☆☆

حضور تاج الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے دینی خدمات کے روشن باب!

-------------از شرفِ قلم! محمد شاہد رضا رضوی منظری (اسلامپور اتر دیناجپور مغربی، بنگال-الهند)

احباب اہلسنت وحامیانِ مسلکِ اعلیٰ حضرت!

نگاہِ مفتیٔ اعظم کی ہے یہ جلوہ گری
چمک رہا ہے جو اختر ہزار آنکھوں میں

رب کائنات کے محبوب یعنی دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مقدسہ کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کی آمد کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔۔ مگر آپ کے تصدق سے آپ کی امت پر رب کائنات جل جلالہ نے یہ انعام فرمایا کہ ہر دور میں اسے اپنے محبوبین اور مقربین سے نوازا۔ مقبولانِ بارگاہ الٰہی تاقیام قیامت اپنے روحانی فیض و برکات سے اہل عالم کو متمتع فرماتے رہیں گے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرچشمۂ نبوت سے دلوں کی مردہ زمینوں کو سیراب فرماتے رہیں گے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بزرگان دین کی شان میں ارشاد فرمایا ہے۔

علماءِ امتی کاانبیا بنی اسرآئیل۔

یعنی میری امت کے علما بنی اسرآئیل کی امت کی طرح ہیں۔

(من وجہ) انہیں محبوبانِ بارگاہ الٰہی میں سے ایک رفیع الشان، عظیم المرتبت شخصیت حضور تاج الشریعہ بھی ہیں۔۔ حضور تاج الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ ان نابغۂ روزگار اور ان جلیل القدر علمائے اعلام میں سے ایک ہیں جو گوناگوں خوبیوں اور کمالات کے جامع ہیں۔۔ جنہیں اللہ رب العزت نے بے شمار محاسن و کمالات سے مالا مال فرمایا ہے، خاندانی وجاہت وکرامت، پاکیزہ واخلاق وسیرت، بحث و تحقیق کی اعلیٰ بصیرت، زبردست علمی اختصار وفنی صلاحیت، فصاحت بیان اور بلاغت لسان پر حد درجہ قدرت، فقہ وافتاء میں غیر معمولی مہارت و حزافت، جیسی صفات فاضلہ سے مزین فرمایا ہے، درس وتدریس، تحریر وتقریر، تصنیف و تالیف، انشا پردازی، دعوت و ارشاد اور بحث و مناظرہ میں آپ کی ہمہ گیری و جامعیت خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ درس وتدریس کا حال یہ تھا کہ مسند تدریس پر بیٹھ کر حدیث پاک کا درس دیتے تو امام بخاری کی یاد تازہ ہوجاتی، معقولات پڑھاتے تو

امام رازی کی یاد آنے لگتی، مرکزی دارالافتا میں بیٹھ کر مسائل شرعیہ کی تحقیق فرماتے تو امام اعظم کا عکس جمیل نظر آتے، فقہ حنفی کے اثبات واظہار اور ترجیح وراجح پر محققانہ کلام فرماتے تو آپ کی تحریروں پر امام بدرالدین عینی اور امام طحاوی اور امام ابن الھمام کی تحریروں کا شبہ گزرنے لگتا، بارگاہ رسالت کے گستاخوں کا ردوابطال فرماتے تو امام اہلسنت امام احمد رضا کی جانشینی کا حق ادا فرماتے۔ آپ کا سلسلہ نسب اسطرح ہے تاج الشریعہ محمد اختر رضاخاں بن مفسر اعظم محمد ابراہیم رضا خاں بن حجۃ الاسلام محمد حامد رضا خاں بن سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخاں۔ آپ کی ولادت رضا نگر محلہ سوداگراں بریلی شریف الہند میں ہوئی، علمائے اعلام کے بیان کے مطابق چار سال چار ماہ چار دن کی عمر میں آپ کے والد ماجد جیلانی میاں صاحب نے بڑے اہتمام کے ساتھ رسم بسم اللہ خوانی کی تقریب منعقد کی، تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ھند نے رسم بسم اللہ خوانی ادا فرمائی، قرآن پاک ناظرہ اپنی مادر مشفقہ سے گھر ہی میں پڑھا۔۔ ابتدائی تعلیم والد اور نانا کے علاوہ دیگر نامور علما سے حاصل کی پھر دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف میں داخل ہوئے اور فضیلت تک کی تعلیم حاصل کی، اس مرحلہ میں ذہانت وفطانت بحث و تمحیص، دقیق سنجی، اور نکتہ رسی کا ستارہ جبینِ اقدس پر نمایاں تھا، منظر اسلام کے بعد جامعہ ازہر مصر تشریف لے گیے، وہاں سے فارغ ہونے کے بعد دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف میں تدریس کے کام پر معمور ہوئے اور بہت ہی کامیابی کے ساتھ منتہی کتابوں کا درس دیا، تبلیغی اسفار اور بیعت و ارشاد کی مصروفیات کے باعث درس و تدریس کا سلسلہ زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا، مگر فتاویٰ نویسی اور تصنیف و تالیف کا جو سلسلہ بعد فاراغت جو جاری فرمایا تھا، وہ آخری دم تک جارہا۔

جس طرح سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ باطل کا سر نیچا کرنے اور منکرات کو توڑنے کے لیے قرطاس وقلم کا سہارا لیا تاکہ موت کے بعد بھی اس سے قیامت تک فائدہ حاصل کرتے رہیں، اسی جانشینی کا حق ادا کرتے ہوئے حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے بھی تصانیف کے زور سے غلط رسم ورواج اور باطل فرقوں کا مکمل بائی کاٹ کر دیا مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت اور اس کی تائید کے لیے اور احقاق حق وابطال باطل کے لیے متعدّد کتابیں تصنیف فرمائی، جن میں سے کچھ

کتابیں قارئین کے سامنے پیش کی جارہی ہیں۔۔ انمبر، مراۃ النجدیۃ بجواب البریلویۃ۔۔ ۲ نمبر، تحقیق ان ابا ابراہیم تارخ الآزر، ۳نمبر، الحق المبین، ۳نمبر، الصحابۃ نجوم الاھتداء، ۵نمبر، حاشیۃ علیٰ صحیح البخاری، ۶نمبر، دفاع کنزالایمان، ۷نمبر، ازہر الفتاویٰ، ۸نمبر، سد المشارع علی من یقول ان الدین یستغنی عن الشارع، ۹صیانۃ القبور، ۱۰نمبر، ٹی وی ویڈیو کا شرعی آپریشن، ۱۱نمبر، ہجرت رسول، ۱۲نمبر، شرح حدیث، ۱۳نمبر، تین طلاقوں کا شرعی حکم، ۱۴نمبر، ٹائی کا مسئلہ، ۱۵نمبر، کنزالایمان کا دیگر تراجم سے تقابلی کا جائزہ، ۱۶نمبر، آثار قیامت، ۱۷نمبر، جشنِ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۱۸نمبر سفینۂ بخشش، ۱۹نمبر، نغماتِ اختر، ۲۰نمبر، فضیلت صدیق اکبر، ۲۱نمبر، چلتی ٹرین میں فرض و واجب نمازوں کی ادائیگی کا حکم، ۲۲نمبر، ذرائع ابلاغ سے رویت ھلال کے ثبوت کی شرعی حیثیت، ان کے علاوہ سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی متعدّد کتابوں کا عربی میں ترجمہ فرمایا ہے، اور ان کو ملک و برون ملک بھیجا ہے، ہر دور میں زبان وقلم کی اہمیت مسلم رہی ہے، باطل عناصر زبان وقلم ہی کے زور پر سر اٹھائے ہوئے ہیں، حضور تاج الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ فتنہ وہابیت ودیوبندیت، غیر مقلدیت و نیچریت، وبدمذہبیت اپنی قلمی ولسانی مہارت کی بنیاد پر ہمیں دانت دکھا رہا ہے اور ہمارے مسلک کے خلاف ورق کے ورق اور دفتر کے دفتر سیاہ کیے جارہے ہیں زبان وقلم کا ناجائز اور اور بے جا استعمال کر کے عوام الناس اور سادہ لوح مسلمانوں کو یہ باور کرایا جارہا ہے کہ بریلوی حضرات شرک کرتے ہیں اور قبر پوجتے ہیں، کہ اب ایسی صورت حال میں ضروری ہے کہ نئے پود کو زبان وقلم دونوں ہتھیار سے مسلح کرایا جائے تاکہ اسلام کے خلاف تمام سامراجی عناصر اور طاغوتی قوتوں کا ہر موڑ پر مقابلہ کرسکیں اس خاص مقصد کے تحت،، جامعۃ الرضا قائم فرمایا،، اور ان شاء اللہ صبح قیامت تک یہ ادارہ اپنا کام اسی شان کے ساتھ کرتا رہے گا۔

جب حالات بدلتے ہیں اور زمانہ کروٹ لیتا ہے تو ایسی صورت میں زمانے کے ساتھ ساتھ جدید مسائل بھی جنم لیتے ہیں، جن کا حل مشکل ہوجاتا ہے اور جواز وعدم جواز کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے، بڑے بڑے علمائے کرام و مفتیانِ عظام حیران وشش درہ رہ جاتے ہیں تو ایسے مسائل کو حل کرنے اور جواز وعدم جواز کی صحیح رائے قائم کرنے کے لیے حضور سیدی تاج الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ

نے بریلی شریف میں، شرعی کونسل آف انڈیا، قائم فرمایا تاکہ ملک کے بڑے بڑے علمائے کرام و مفتیانِ عظام وہاں جمع ہوں،اور کتاب و سنت کی روشنی میں نوپید مسائل پر اپنی رائے دیں جو درست ہواسی کے مطابق مسئلہ کا حل نکالیں۔

اس کے قیام سے لیکر اب تک تقریبا ۱۸ اٹھارہ بار فقہی سیمینار منعقد ہو چکا ہے اور کئی اہم مسائل کا حل بھی نکالا جا چکا ہے، جیسے سعودی بینک میں قربانی کا روپیہ جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ عصر حاضر میں پلاٹوں کی بیع و شرا کیسا ہے؟ موبائل فون کے ذریعہ چاند کا ثبوت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ٹیشو پیپر کا استعمال کا استعمال درست ہے یا نہیں؟ چلتی ٹرین پر فرض و واجب کی ادائیگی درست ہے یا نہیں؟ اس طرح کے کئی مسائل حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے زمانے ہی میں حل ہو چکے ہیں اور ان شاء اللہ اب حضور محدث کبیر صاحب دام ظلہ کی سرپرستی میں چلے گا اور علامہ مفتی عسجد رضا خاں صاحب دامت برکاتہم القدسیہ کی سربراہی میں یہ کام ہوتا رہے گا۔

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ ابتدا سے انتہا تک منکرات کے خلاف تھے، کبھی کسی کی انگشت نمائی اور ملامت کی پرواہ نہیں کیا، اور مضبوطی کے ساتھ اصح اور راجح قول پر عمل کرتے رہے جیسے یہ کہ مسلک اعلیٰ حضرت ہی مسلک اہلسنت وجماعت ہے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ نماز جائز نہیں ہے، چین دار گھڑی کا استعمال جائز نہیں ہے، موبائل فون کے ذریعہ رویت ہلال کا ثبوت درست نہیں ہے، چلتی ٹرین پر فرض و واجب نمازوں کا اعادہ واجب ہے، وغیرہ وغیرہ۔

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ پوری زندگی نہایت ہی اخلاص ولگن اور حوصلہ کے ساتھ ملت و مسلک کی پاسبانی کرتے رہے، کہیں میدان تدریس میں چمکے تو کہیں مسند تدریس کی زینت بنے، کہیں میدانِ مناظرہ کے شہسوار نظر آئے، تو کہیں خارزار صحافت کے راہی نظر آئے، گویا حضور تاج الشریعہ کے اندر ایک مضطرب روح تھی جو نیستان اہلسنت کو پورے ہندوستان اور برون ہند لیے پھرتی تھی، آخر کار ۲۰ جولائی ۲۰۱۸ سنہ بروز جمعہ مبارکہ کو اس دار فانی سے دار بقا کیطرف کوچ کر گئے، خود فرماتے تھے۔

اختؔر قادری خلد میں چل دیا
خلد وا ہے ہر اک قادری کے لیے
ابر رحمت ان کے مرقد پر گہرباری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز بر داری کرے

دینی وتبلیغی خدمات!

احبابِ اہلسنت وحامیانِ مسلکِ اعلیٰ حضرت!

حضور تاج الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین و معتقدین کی کثرت، تعداد اور مدارس و مساجد کے تعمیرات اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ آپ کی دینی وتبلیغی خدمات وسیع وکثیر ہیں، جن کے لیے آپ نے برسوں بے اندازہ جدوجہد کی ہے، اور اس کے لیے ذہنی اور جسمانی طور پر بے شمار قربانیاں دی ہیں ان کے لیے سفر وحضر کی صعوبتیں اور تکلیفیں بھی برداشت کی ہیں۔ ساتھ ہی آپ کو حکومت وقت اور عوام کالانعام کیطرف سے بہت سی اذیتوں اور تکلیفوں کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے۔۔ دراصل حضور تاج الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ صرف نام کے پیر نہیں جو اپنے مریدوں کے گھر میں دھرنا ڈال کر سہولت کی روٹیاں توڑتے اور عیش وآرام کی زندگی بسر کرتے ہیں، آپ وہ مرشد برحق اور سچے شیخ طریقت ہیں جو خود دیتے اور دوسروں کو دلاتے ہیں، خود بھوکے رہتے اور دوسروں کو کھلاتے ہیں، غریبوں، محتاجوں کی خبر گیری کرتے اور حسب حیثیت ان کی مدد کرتے ہیں، آج بھی ان کے خاندانی کی یہ ریت ہے کہ!

آتا ہے فقیروں پہ انہیں پیار کچھ ایسا
خود بھیک دیں اور خود کہیں مانگتا کا بھلا ہو

حضور تاج الشریعہ کی طرف لوگوں کا دلی رجحان کیوں؟

احبابِ اہلسنت وحامیانِ مسلکِ اعلیٰ حضرت!

امیرِ اہلسنت شہنشاہ علم وحکمت، مخزنِ خیر وبرکت، نبیرۂ اعلیٰ حضرت، منبع رشد وہدایت، فقیہِ اعظم، وارثِ علومِ اعلیٰ حضرت، شہزادہ مفسر اعظم، جانشین حضور مفتیٔ اعظم، پیرِ طریقت، رہبرِ راہِ شریعت، گلِ گلزارِ رضویت، آفتِ جانِ وہابیت وصلح کلیت، حضرت علامہ مفتی الشاہ اختر رضا خان قادری کی ہستی محتاج تعارف نہیں ہے،

الحَمْدُ للّٰہ ثم الحَمْدُ للّٰہ

اللہ رب العزت نے جس قدر حسین صورت عطا فرمائی ہے، اس سے زیادہ علم وتقویٰ کی دولت سے مالا مال فرمایا ہے، دور حاضر میں ان کے جیسا متقی، ان کے جیسا پرہیز گار، ان کے جیسا عالم، ان کے جیسا فاضل، ان کے جیسا مفتی، ان کے جیسا مفکر، ان کے جیسا محدث، ان کے جیسا پیر، ان کے جیسا عالم شریعت، ان کے جیسا عامل سنت، ان کے جیسا خوبرو، ان کے جیسا خوبصورت، ان کے جیسا عابد، ان کے جیسا زاہد، ان کے جیسا مجاہد، ان کے جیسا قابل، ان کے

جیسا مرجع الخلائق، ان کے جیسا داعی، ان کے جیسا مبلغ،ان کے جیسا رہبر،ان کے جیسا مخلص فی زمانہ نا،ان کے جیسا محسن ملنا مشکل ہی نہیں بلکہ نا ممکن سا محسوس ہوتا ہے۔۔

جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے، جن کو دیکھ کر ہندو مسلم ہوجائے، جن کو دیکھ کر کافر مومن بن جائے، جن کو دیکھ کر عیسائی مسلمان ہوجائے، جن کو دیکھ کر یہودی داخلِ اسلام ہوجائے، جن کو دیکھ کر پنڈت اور برہمن اسلام کے دامن کو مضبوطی سے تھام لے، جن کو دیکھ کر فاسق فسق سے توبہ کرلے، جن کو دیکھ کر شرابی شراب سے توبہ کرلے، جن کو دیکھنے کے لئے سینکڑوں نہیں لاکھوں کی تعداد میں دیوانے جمع ہوجاتے ہیں۔۔صرف معلوم ہوجائے کہ حضور تاج الشریعہ کی آمد ہونے والی ہے، علمائے کرام مفتیانِ ذوی الاحترام، آئمہ عظام حفاظ وقراء حضرات اور دیگر طبقے کے افراد چاہیے بچہ ہو یا جوان، یا بوڑھا ہو یا بیمار سب کے سب دیوانہ وار چلے چلتے ہیں۔۔ ایک جھلک پانے کے لئے اور اپنی آنکھوں سے دیدار کرنے کے لئے تاجر تجارت چھوڑ کر بزنس مین بزنس چھوڑ کر مدرس مدرسہ چھوڑ کر طالب علم مدرسہ سے نکل کر مفتی دارالافتاء چھوڑکر اور ہر طبقے کے افراد اور ہر ڈیپارٹمنٹ کے حضرات دیدار تاج الشریعہ کی خواہش میں مستانوں کیطرح چلے آرہے ہیں۔ یہ حقانیت کی علامت نہیں ہے تو اور کیا ہے ؟ پھر کچھ لوگوں کے پیٹ میں درد وعداوت کیوں اٹھتا ہے ؟ بلآخر درد وعداوت کیوں نا اٹھے، نارِ حسد میں کیوں نا مبتلا ہوں کیونکہ حضور تاج الشریعہ مسلک اعلیٰ حضرت کے سچے پکے ترجمان و حضور مفتی اعظم ہند کی بیشمار کرامتوں میں ایک عظیم کرامت ہیں۔

راقم مولیٰ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں دعا گو ہے کہ مولیٰ تعالیٰ! ہم سب کے تاج شریعت کے مراتب ودرجات کو بلند فرما اور حضور تاج الشریعہ کے سایہ تلے تادیر زندگی گزارنے کی توفیق ورفیق عطا فرما اور حضور تاج الشریعہ کے تربت پر رحمت ونور کی پھول برسا اور عالم اسلام پر ان کا فیضان جاری فرما اور مسلک اعلیٰ حضرت کے سچے پکے وفادار ترجمان علمبرار اور سپاہی بنا۔

آمین، یارب العالمین جل جلالہ بجاہ النبی الامین الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

☆☆☆☆

اعلانِ اشاعت

ادارۂ **ماہنامہ فخر بہار** خوشی کے ساتھ اہلِ قلم کو مطلع کرتا ہے کہ آئندہ شمارے کے لیے معیاری مضامین، تحقیقی مقالات، اصلاحی و دینی تحریریں اور حالاتِ حاضرہ پر مبنی سنجیدہ مضامین طلب کیے جا رہے ہیں۔

اہلِ علم و قلم حضرات سے گزارش ہے کہ اپنی نگارشات مقررہ مدت کے اندر ارسال فرمائیں۔ منتخب مضامین کو آئندہ شمارے میں مناسب اہتمام کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔

مزید تفصیلات اور ارسالِ مضامین کے لیے ادارہ سے رابطہ فرمائیں واٹس ایپ پر 6203087421۔

والسلام

ادارۂ ماہنامہ فخر بہار

تمت بعون اللہ تعالیٰ و سولہ الکریم ﷺ

یادتاج الشریعہ فاؤنڈیشن
کی دینی خدمات

تاج الشریعہ کی علمی و روحانی خدمات کو جاری رکھنے کے لیے قائم کی گئی یادتاج الشریعہ فاؤنڈیشن دینی تعلیمی اور فلاحی میدان میں نمایاں کردار ادا کر رہی ہے۔ یہ ادارہ مدارس و مکاتب کی سرپرستی، دینی کتب کی اشاعت، طلبہ کی معاونت اور عقائد اہلِ سنت کے فروغ کے لیے علمی و اصلاحی پروگرام منعقد کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فاؤنڈیشن رفاہی سرگرمیوں جیسے مستحقین کی امداد، راشن کی تقسیم اور سماجی خدمت کے کاموں میں بھی پیش پیش رہتی ہے۔ یوں یہ ادارہ علم و عمل، دعوت و خدمت اور روحانیت و اصلاح کا حسین امتزاج پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کو قبول فرمائے اور اسے دین اسلام کی مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فقیر محمد فرحان رضا قادری ازہری
صدر یادتاج الشریعہ فاؤنڈیشن